

احساسِ ذمہ داری

دوستو! تم خواہ کسی مذہب اور کسی فلسفے کے معتقد ہو، تم کو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ تمہاری انسانی ذمہ داریوں کا اصلی سبب تمہارے احساس، ادراک، تعقل اور ارادہ کی قوتیں ہیں۔ اسلام میں ان ذمہ داریوں کا شرعی نام ”تکلیف“ ہے۔ یہ ”تکلیف“ خود تمہارے اندرونی اور بیرونی قویٰ کے مطابق تم پر عائد ہے۔ اسلام کا خدا یہ اصول بتاتا ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة: ۲۸۶]

”خدا کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا لیکن اس کی وسعت کے مطابق۔“

(سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ)

تنگ نظری

شخصیت پرستی کے جادو نے فہم و شعور کے قوی کو اس طرح مسحور کر رکھا ہے کہ اس خول سے باہر نکل کر کوئی بڑا عالم کچھ سوچنے سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں ہے۔ دنیا کی مادی ترقیات اور سہولتوں نے آج خالص اسلامی تحقیقات کے سیکڑوں بند دروازے کھول دیے ہیں۔ تفسیر وحدیث اور ان سے متعلقہ فنون پر ہزار ہا ہزار قیمتی اور نادر خطوط جو دنیا کے مختلف کتب خانوں میں بکھرے پڑے تھے اور جن کا صرف پتا لگانا ہی بڑی مشکل مہم تھی اور پتا لگانے کے بعد ان تک رسائی کے امکانات انتہائی محدود تھے اور رسائی کے بعد استفادے کی اس کے سوا کوئی شکل نہ تھی کہ اسے ایک طویل وقت صرف کر کے نقل کیا جائے۔

اب موجودہ ترقیات نے یہ ساری مہمیں سر کر کے ان سے استفادہ بالکل آسان کر دیا ہے۔ اب صرف یہی نہیں کہ بیشتر نوادرات کی فہرست دستیاب ہے بلکہ ان کے فوٹو اور مائیکروفلم دنیا کے بیشتر قابل ذکر کتب خانوں میں موجود اور دستیاب ہیں۔ اگر اہل علم قلب و نظر میں وسعت پیدا کر کے ان قیمتی ذخیروں سے فیض یاب ہونے کی کوشش کریں تو شریعت کے کتنے ہی اختلافی مسائل ہیں جن کے بارے میں صاحب شریعت جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا حکم اور منشا علم الیقین کی حد تک معلوم ہو سکتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کتب تفسیر وحدیث میں سے آج جو کچھ مطبوعہ شکل میں ہمارے درمیان متداول ہے وہی ساری مشکلات حل کرنے کے لیے کافی وافی ہے۔

مگر تنگ نظری اور ضیق قلبی کا یہ عالم ہے کہ جن شخصیات سے اپنے آپ کو چکا لیا گیا ہے ان کے ارشادات، فیصلوں اور فتوؤں سے ہٹ کر قرآن وحدیث کی صریح اور دو ٹوک نصوص قبول کرنے کے لیے بھی دل میں گنجائش نہیں رہ گئی ہے۔

علماء کی اس تنگ نظری اور اسلامی شریعت کے بارے میں اس ناہموار انداز فکر نے امت کے مختلف طبقوں میں بڑی وسیع خلیج پیدا کر رکھی ہے۔ علماء اور عوام دونوں مختلف خانوں میں تقسیم ہو کر رہ گئے ہیں جن پر اسلامی اخوت اور باہمی تعاون و تناسر کے بجائے باہمی کشاکش اور ضرر رسانی و ایذا رسانی کے جذبات غالب ہیں اور مختلف مصائب ومشکلات کی شکل میں آئے دن ان کا نمود و ظہور ہوتا رہتا ہے۔

(مولانا صفی الرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَلَا تَنْصُرُوا الْاِغْوَاءَ مِنَ الْاَلْبَانِ وَالْاَسْبَاطِ وَلَا تَقُولُوا

سمایہ دست
مولانا ابوبکر صدیق السلفی

بانی
مولانا محمد عطاء اللہ حنیف

مسک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

الاعنصل

یکے از مطبوعات دارالدعوة السلفية

09 جمادی الاولیٰ 1434 ھ جمعۃ المبارک 22 تا 28 مارچ 2013ء

شماره 12 جلد 64

مجلس ادارت

- شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی
- مولانا محمد اسحاق بھٹی
- مولانا ارشد الحق اثری
- ملک عصمت اللہ قلغوی
- حافظ حماد شاہر
- حماد الحق نعیم
- حماد الحق نعیم
- حافظ احمد شاہر

مدیر مسئول

- حافظ احمد شاہر

مینجر

- محمد سلیم چنیوٹی 0333-4786507

کمپوزنگ

- رضا اللہ ساہو 0344-4656461

☆ جواہر پارے احساس ذمہ داری

☆ کلمہ طیبہ تنگ نظری

☆ ادارہ

☆ درس قرآن تفسیر سورہ یس..... (۶۵)

☆ ایمانیات تصویر آخرت؛ عقل کی روشنی میں

☆ تذکار سلف اعلیٰ اقدار کے امین محدثین باصفا

☆ اسلامی ادبیات اردو نثر کا ارتقاء اور دلی الہی تحریک

☆ تذکرہ علمائے اہل حدیث مولانا بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ (۳) آخری

☆ شعر و ادب ہنگامہ آہن کا نشر ٹوٹ رہا ہے!

(مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ)

2 (حافظ احمد شاہر)

4 (مولانا ارشد الحق اثری)

9 (مولانا عبدالعزیز بھٹوی)

11 (محمد اشرف جاوید)

17 (مظہر علی انصاری)

21 (محمد رمضان یوسف سلمیٰ)

(عبدالحمید اسلم)

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج پراج لاہور
فون نمبر : 042-3735 4406
فیکس نمبر : 042-37229802
رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

فی پرچہ : 12/- روپے
سالانہ : 500/- روپے
بیرونی ممالک سے : 200/- ریال
60/- ڈالر امریکی



E-Mail: al.aitisam@gmail.com

پرنٹر: پرنٹ یار ڈپرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاہر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

پہلا قدم

نبی ﷺ کی حیات مبارکہ کا جائزہ لیں تو آپ نے کئی زندگی میں دعوتِ توحید کے کام کو اہمیت دی۔ دعوتِ توحید کا معنی یوں سمجھا جائے کہ اہل مکہ اور قریش و دیگر عرب قبائل میں صدیوں سے معبودانِ باطلہ کے نام پر جاری عقائد و عبادات کو صرف اللہ وحدہ لا شریک کے لیے خاص کرنا، جس کے لیے آپ کو ایک طویل مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا بلکہ صحابہ کے ساتھ ساتھ آپ کو بھی جسمانی اذیتیں برداشت کرنا پڑیں، معاشرتی بائیکاٹ سے واسطہ پڑا لیکن آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ کرام نے بھی اس قدر عزیمت دکھائی کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے اب تک قاصر ہے۔ مدینہ منورہ میں ہجرت فرما کر آپ نے ایک اسلامی مملکت قائم فرمائی تو اس کی بنیاد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر رکھ کر اقوامِ عالم کو سبق دے دیا کہ دنیاوی زندگی کے یہ دو پہیے ہیں ایک پہیے پر نظامِ دنیا چلنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔

ہر دور میں معاشرے کو رواں دواں رکھنے، نظامِ حکومت چلانے اور خلقِ خدا کی ضروریات یعنی انسان کی بنیادی ضروریات مہیا کرنے کے لیے معاشی نظام کا نفاذ لازمی سمجھا جاتا ہے۔ تخلیق کائنات کے پہلے دن سے نظام بنتے رہے، اللہ تبارک و تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے بتدریج ان کی بہتر سے بہتر عملی صورتیں سامنے لاتا رہا۔ تا آنکہ اسلام ظہور پذیر ہوا اور نبی آخر الزماں ﷺ نے انسانیت کو ایک ایسا نظامِ حکومت و معیشت دیا جو قیامت تک یکساں مفید اور کارآمد رہنے کے تمام محاسن اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے۔ نظامِ معیشت کو اگر مختصر ترین لفظوں میں بیان کیا جائے تو شاید وہ ان لفظوں میں ادا ہو ہی جائے: دیانت، قناعت، ایثار اور رفاہ، یعنی معاملات میں دیانت، اس کی عطا کی ہوئی نعمتوں پر قناعت، دین اور کمزوروں کے لیے ایثار اور رفاہ یعنی خلقِ خدا کی کفالت یا یوں کہہ لیں کہ خلقِ خدا کو بنیادی ضروریات مہیا کرنا۔

خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے ادوارِ حکومت اس کی روشن ترین مثالیں ہیں، اس کے بعد جن..... خصوصاً یورپین..... ممالک نے مذکورہ بالا خصوصیات کو اپنی حکومتوں کی پہلی ترجیح رکھا وہ اب اس وقت دنیا میں کامیاب ترین حکومتیں شمار کی جاتی ہیں۔ ان خوبیوں کی حقیقت یہ ہے کہ

① دیانت، دینی علم، تربیت اور احساس کے فقدان کے باعث دیانت ہمارے ہاں قومی طور پر عنقا ہو چکی ہے۔ کوئی زمانہ تھا کہ بددیانتی کی خبر ایک عجوبہ اور چٹھھی سمجھی جاتی تھی۔ اب یہی حال کسی کی دیانت داری کی خبر کا ہو چکا ہے۔ دیانت ایک ایسا لفظ ہے جو ہر انسان کی پوری زندگی پر محیط ہے۔ بددیانتی صرف مال ہی کی بددیانتی کا نام نہیں، عہدے کا غلط استعمال، ملازمت کا طے شدہ وقت ادا نہ کرنا، حق بات کو آگے نہ پہنچانا، خصوصاً دینی احکام..... حرام و حلال..... کی عمل پیرائی میں کوتاہی (جس میں اہل دین کا مقام زیادہ حساس ہے) اپنے وطن، یا سوچنے ہوئے کسی کام، ادارے یا ذمہ داری کو نااہل کے سپرد کرنا، یا اس کے مفادات کو نقصان پہنچانا یہ سب بددیانتی کی صورتیں ہیں۔

② قناعت، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر غیر مطمئن رہنا..... انعامات پر شکر کرنے کی بجائے..... محرومیوں کا تذکرہ کرتے رہنا اور..... معاشرتی طور پر..... اپنے سے برتر معاشرے کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے رہنا اور اس کے پیچھے بھاگنا۔

③ ایثار، حدیث شریف کے مطابق نبی ﷺ کی خدمت میں ایک مہمان آیا تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی میزبانی کی ترغیب دلائی تو

ایک صحابی مہمان کو ساتھ لے گئے اور اپنے بچوں کے کھانے سے اس کی میزبانی کر دی۔ تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس صحابی کی تعریف میں سورہ حشر کی آیت نمبر ۹ نازل فرمادی۔ جس کا ترجمہ ذیل میں درج ہے:

”وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کی طرف آئیں اور وہ اپنے سینوں میں اس چیز کی کوئی خواہش نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دی جائے اور اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ انھیں سخت حاجت ہو اور جو کوئی اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔“

عمومی طور پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ اپنی ضرورت پہ دوسرے انسان کی ضرورت کو مقدم رکھنا۔ اگرچہ اسلامی معاشرے میں بھی اور وطن عزیز میں بھی بہت سے اصحاب خیر ہیں جو اپنے اپنے دائرے میں انسانوں کی خوراک، لباس اور ادویات کی ضرورت کا خیال رکھتے ہیں۔ لیکن اصل ذمہ داری حکمرانوں کی ہوتی ہے کہ وہ اپنی سیوریٰ..... جس کو کسی حد تک ضرورت کہا جاسکتا ہے..... ذاتی بود و باش جو سراپا تعیش اور اسراف سے کہیں آگے جا کر ایسی تہذیر تک جا پہنچتی ہے جس کے کرنے والے کو قرآن مجید میں شیطان کے بھائی کہا گیا ہے کہ علاوہ اپنے اہل و عیال اپنے خاندان کے دیگر افراد اور یار دوستوں کو، جائز و ناجائز داد و دہش جب کہ حکومتی حلقوں کے دائیں بائیں ضرورت مند نان جوئیں کے لیے ترستے ہیں، ان کے بچے چھیڑھڑوں پر گزارہ کرتے، بیماریوں میں تڑپتے، بھوک سے بلکتے، لاغر بوڑھے اور مجبور عورتیں ان حکمرانوں کو نظر نہیں آتیں۔ خلق خدا کے لیے ایثار کا اصل فرض حکمرانوں کا ہوتا ہے جس کی ابتدا حکمرانوں کے طرز حیات سے ہوتی ہے۔ آپ برطانیہ، امریکہ اور دیگر کامیاب ریاستوں کے حکمرانوں کے معیار زندگی کو ملاحظہ فرمائیں تو مسلمانوں کی جینین عرق ندامت سے بھگ جاتی ہیں۔ ان غیر اسلامی ممالک میں لہو و لعب کی بہتات کے باوجود ان کے حکمران اور سیاست دان جب کہ کارزار سیاست میں اترتے ہیں تو وہ سیاست کو قومی خدمت جانتے ہوئے ہر اخلاقی برائی سے بچنا ناگزیر جانتے ہیں۔ جب کہ ہمارے ہاں! اللہ ہی حافظ۔

رفاہ، اس کا لغوی معنی وہ کام جس سے لوگوں کو فائدہ اور آرام ملے۔ حکمرانی یا حکومت اسی چیز کا نام ہے جس کو نبی ﷺ نے کلکم داع و کلکم مسئول عن رعیتہ جیسا جامع لفظ بیان فرما کر کوزے میں دریا بند فرما دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستانی عوام اب تک اسی رفاہ کو ترس رہے ہیں۔ جب کہ ہمارے ہاں رفاہ، عوام..... ضروریات کو نظر انداز کر کے..... کو آسائش اور سہولتیں دینے کو سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستانی حکمران اپنے مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے مہاجنوں کے طے کردہ رفاہ کو صرف رفاہ کہتے ہیں۔ مہاجن مصنوعات تعیش کو پس ماندہ ممالک میں رواج دینے، عام کرنے اور پھر ان سہولتوں کو زندگی کا حصہ بنانے کے لیے بہ طور قرض اپنی مصنوعات کا پس ماندہ ممالک میں انبار لگا دیتے ہیں۔ مہاجن یہ سب کچھ قرض کے نام پر دیتے ہیں اور اس کے سود کی پہلی قسط قرض سے منہا کر کے مقروض کو قرض دیا جاتا ہے اور قرض کی رقم منصوبہ مکمل ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جاتی ہے اور قرض کی واپسی کے دن آ جاتے ہیں۔ پھر پہلے قرض کا سود ادا کرنے کے لیے مزید قرض لیا جاتا ہے اور مقروض ملک مقروض ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر اس کا سود وصول کرنے کے لیے مزید قرض بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ہمارے خیال میں جب تک رفاہ میں خلق خدا کی بنیادی ضروریات کو شامل نہیں کیا جاتا تب تک وہ رفاہ نہیں ہو سکتا۔ اور اب تک کسی بھی پارٹی کی حکومت اس کا عملاً ثبوت پیش نہیں کر سکی۔ اب نئے انتخابات کی ہماہمی ہے سیاسی جماعتیں اپنے منشور لے کر میدان میں آ چکی ہیں اور امیدوار وعدوں کے سبز باغ دکھاتے ہوئے ووٹروں کے حلقوں کا طواف شروع کر چکے ہیں کیا کوئی سیاسی جماعت یا کوئی امیدوار رفاہ کے اس بنیادی نقطے کو بنیاد بنا کر اس پر انتخاب لڑنے کی جرأت کر کے نظام اسلامی کے نفاذ کی طرف پہلا قدم اٹھا سکتا ہے؟ اس لیے کہ موجودہ نظام معیشت میں دیانت باقی رہنا ناممکن ہوتا ہے، قناعت فرسودگی سمجھی جاتی ہے، ایثار عنقا اور مال رفاہ کی رقم کی امداد باہمی صورت میں بندر بانٹ کر لی جاتی ہے۔ الامان والحفیظ

تفسیر سورہ یس

مولانا ارشاد الحق اثری

شرب بول کی روایات:

اس بارے میں سب سے مشہور روایت حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے رات کو گھر میں ایک جانب پڑے برتن میں پیشاب کیا۔ میں رات کو اٹھی مجھے پیاس لگی تھی میں نے پیشاب کو لاشعوری طور پر پی لیا:

”فشربت ما فیہا وانا لا أشعر .“

جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ام ایمن جاؤ اس برتن میں موجود پیشاب کو بہادو۔ میں نے عرض کیا: اللہ کی قسم میں نے تو وہ پی لیا ہے۔ آپ ﷺ خوب ہنسے یہاں تک کہ آپ کی داڑھیں مبارک ظاہر ہو گئیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا پیٹ کبھی درد نہیں کرے گا۔ یہ روایت طبرانی کبیر (۲۵/۸۹، ۹۰)، حاکم (۴/۶۳، ۶۴)، التحلیہ (۲/۶۷)، دلائل النبوة لابی نعیم (۴/۴۴) وغیرہ کتب میں منقول ہے۔

مگر یہ روایت سخت ضعیف ہے کیونکہ اس کا ایک راوی ابو مالک عبد الملک بن حسین النخعی متروک ہے۔ (تقریب: ص ۴۴۴)

اور اس کے دوسرا راوی نبیح بن عبد اللہ العزی کی ام ایمن رضی اللہ عنہا سے ملاقات کا ثبوت محل نظر ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

”لم یلق ام ایمن .“ (التلخیص: ۱/ ۳۱)

”اس کی ملاقات ام ایمن سے نہیں۔“

مگر الاصابہ (۴/۴۳۳) میں انھوں نے ملاقات کو رائج قرار دیا ہے۔ اس لیے انقطاع کا اعتراض تو درست نہیں البتہ حافظ ابن حجر نے نبیح کو مقبول قرار دیا ہے۔ (تقریب: ص ۳۵۶)

اور خود انھوں نے مقدمہ تقریب میں وضاحت کی ہے کہ ”مقبول“

راوی تب ہے جب اس کی متابعت ثابت ہو ورنہ وہ لین الحدیث ہے۔ امام دارقطنی نے العلل (۱۵/۴۱۵) میں اسے مضطرب قرار دیا ہے۔

دوسری سند:

حضرت ام ایمن ہی سے متعلق یہی روایت حافظ ابن حجر نے المطالب العالیہ (رقم: ۳۸۲۳) میں اور علامہ بوصیری نے اتحاف الخیرہ (۹۲/۷) میں ابویعلیٰ سے نقل کی ہے۔ علامہ سیوطی نے اسے امام دارقطنی کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ (الخصائص: ۲/۲۵۲) مگر یہ سند بھی درست نہیں الحسن بن حرب کا کوئی تذکرہ متبع بسیار کے باوجود نہیں ملا۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ الحسن بن حرب سے یہ روایت سلم بن قتیبہ نے بیان کی ہے۔ اور حسن سے یعلیٰ بن عطاء عن الولید بن عبد الرحمن عن ام ایمن کی سند سے روایت کرتا ہے۔ امام دارقطنی نے العلل (۱۵/۵۸۱) میں ذکر کیا ہے کہ سلم بن قتیبہ اور قرۃ بن عبد الرحمن اسے ابو مالک عن یعلیٰ بن عطاء عن الولید سے روایت کرتے ہیں۔ گویا سلم کبھی حسن بن حرب سے اور کبھی ابو مالک سے روایت کرتے ہیں۔ اس لیے یہ روایت اس اضطراب کی وجہ سے بھی ضعیف ہے۔

ابن السکن نے بھی اسے ابو مالک عبد الملک بن حسین عن نافع بن عطاء عن الولید کی سند سے ہی روایت کیا ہے۔ (الاصابہ: ۷/۲۸۹) اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں: ”فغلطت فشربہتا“ میں نے غلطی سے پی لیا۔ جیسا کہ پہلی سند میں ”فشربت ما فیہا وانا لا أشعر“ کے الفاظ ہیں کہ میں نے اس پیالے میں جو تھا لاشعوری طور پر پی لیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام ایمن نے بھی پیشاب کو پاک



لازم نہیں آتی۔ جیسا کہ پہلے ہم ذکر کر آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے حافظ ابن حجر نے تہذیب (۲۱۱/۱۲) میں ابن حبان کی یہ توثیق ذکر کرنے کے باوجود تقریب میں ”لا تعرف“ ہی کہا ہے۔ اور الاصابہ (۱۳/۱۶۶) میں امیمہ کے ترجمہ میں کہا ہے کہ حکیمہ سے صرف ابن جریج روایت کرتے ہیں۔ (نیز دیکھیے میزان: ۶۰۶/۳)

علامہ ابن قتان نے بھی کہا ہے کہ امام دارقطنی کی طرف اس کی تصحیح کی نسبت صحیح نہیں کیونکہ انھوں نے حکیمہ کی تعدیل و تخریج کا کوئی حکم نہیں لگایا:

”فالحديث متوقف الصحة على العلم بحال
حكيمة، فإن ثبت ثقتها ثبتت روايتها وهي
لم تثبت.“ (البدر المنير: ۱/۴۸۶)

”لہذا حدیث کی صحت حکیمہ کا حال معلوم ہونے پر موقوف ہے، اگر ثابت ہو جائے کہ وہ ثقہ ہے تو اس کی روایت ثابت ہے، مگر یہ توثیق ثابت نہیں۔“

علامہ مناوی نے بھی اقتفاء السنن سے نقل کیا ہے کہ اس کی تضعیف نہیں کی گئی حالانکہ یہ ضعیف ہے کیونکہ حکیمہ مجہولہ ہے۔

(فیض القدیر: ۱۸۷/۵)

علامہ ابن قتان کا مفصل کلام بیان الوہم والایہام (۵۱۴/۵)، رقم: ۲۷۵۶) میں دیکھا جاسکتا ہے۔

اس لیے اس کی سند کو جدید یا صحیح کہنا محل نظر ہے۔

ثانیاً: حکیمہ کے بارے میں حافظ ابن حجر نے یہ بھی کہا ہے: ”من السادسة“ کہ یہ چھٹے طبقہ کی راویہ ہے۔ اور مقدمہ تقریب میں حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس طبقہ کے راویوں کا صحابہ سے سماع ثابت نہیں۔ اس لیے حکیمہ کا اپنی والدہ امیمہ بنت رقیقہ سے سماع بھی صحیح نہ ہوا اور روایت منقطع ہوئی۔

ثالثاً: حضرت ام ایمن کی روایت کی طرح اس حدیث میں بھی ہے کہ میں نہیں جانتی تھی کہ یہ پیشاب ہے۔ پیاس کی شدت سے پانی سمجھ کر پی گئیں۔ اس میں یہ قطعاً ثابت نہیں کہ انھوں نے پیشاب سمجھتے

سمجھ کر نہیں پیا اور اس عمل کو وہ غلطی پر محمول کرتی ہیں۔ اس لیے غلط عمل طہارت کی دلیل نہیں۔

رہی یہ بات کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ”میرے پیٹ میں درد نہیں ہوگا۔“ تو یہ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے اسے شفاء بنادیا۔ کبھی نجس چیز بھی شفاء بن جاتی ہے مگر یہ اس کے پاک ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔

دوسری حدیث:

حضرت امیمہ بنت رقیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کبھور کے بنے ہوئے برتن میں پیشاب کرتے، وہ برتن آپ ﷺ کی چارپائی کے نیچے رکھ دیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حسب معمول آپ نے اس میں پیشاب کیا پھر آپ تشریف لائے پیالے کو دیکھا تو اس میں کچھ بھی نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے ایک عورت سے، جسے برکہ کہا جاتا تھا، فرمایا: پیالے میں موجود پیشاب کہاں ہے۔ اس نے عرض کیا میں نے پی لیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ مجھے پیاس لگی تھی ”وانا لا اعلم“ اور میں نہیں جانتی تھی (کہ وہ پیشاب ہے)۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اپنے آپ کو جہنم سے بچالیا۔

یہ روایت طبرانی (۱۸۹/۲۳)، الآحاد والمثنائی (۱۲۱/۶)، بیہقی (۶۷/۷)، الاستیعاب (۳۵۶/۴)، المعرفۃ لابن نعیم (۶۷/۶) وغیرہ میں ”حجاج بن محمد عن ابن جریج قال حدثتني حكيمة بنت اميمة عن امها“ کی سند سے منقول ہے۔ اولاً تو یہ سند صحیح نہیں حکیمہ بنت امیمہ کے بارے میں خود حافظ ابن حجر نے کہا ہے:

”لا تعرف.“ (تقریب، ص: ۴۶۷)

البتہ امام ابن حبان نے ثقات میں اسے ذکر کیا ہے۔ اسی بنا پر بعض نے اس سند کو حسن جید، یا اسے ثقہ کہا ہے اور امام دارقطنی نے چونکہ اسے ”اللزومات“ میں ذکر کیا ہے اس کی بنا پر بھی کہا گیا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے حتیٰ کہ شیخ البانی نے بھی اسے صحیح کہہ دیا ہے۔ حالانکہ تہا ابن حبان کا کسی کو ثقات میں ذکر کرنے سے اس کی توثیق

ہوئے قصداً اُسے پیا تھا۔

تیسری حدیث:

علامہ سیوطی نے الخصال میں بحوالہ عبدالرزاق عن ابن جریج ذکر کیا ہے کہ مجھے خبر دی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ لکڑی کے پیالے میں پیشاب کرتے پھر اسے چار پائی کے نیچے رکھ دیتے تھے۔ ایک روز آپ تشریف لائے تو دیکھا پیالے میں کچھ بھی نہیں تو آپ ﷺ نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ برکہ سے پوچھا: پیالے میں پیشاب پڑا تھا کہاں گیا؟ تو اس نے عرض کیا میں نے پی لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں صحت نصیب ہو۔ چنانچہ مرض الموت کے علاوہ وہ کبھی بیمار نہ ہوئی۔ حافظ ابن حجر نے الاصابہ (۲۷/۸) اور الخیص (۳۱/۱) میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ مگر ابن جریج اس میں مدلس ہیں وہ ارسال بھی کرتے تھے۔ (تقریب، ص: ۲۱۹) اس لیے یہ سند بھی صحیح نہیں۔ اوپر دوسری حدیث کی سند میں گزرا ہے کہ تقریباً یہی روایت ابن جریج حکیمہ سے اور وہ اپنی والدہ امیمہ سے روایت کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ابن جریج کبھی اسے بالاسناد اور کبھی ارسالاً روایت کرتے ہوں۔ مسند روایت میں حکیمہ مجہولہ ہیں اور اس کا اپنی والدہ سے سماع بھی محل نظر ہے۔ اس لیے یہ روایت بہر نوع ضعیف ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے بال مبارک خود تقسیم کرنے کا حکم فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے بال مبارک سنبھال کر رکھتے تھے۔ امام ابن سیرین نے عبیدہ بن عمرو سے کہا کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کے بال مبارک ہیں جو ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ملے تھے۔ یہ سن کر عبیدہ نے کہا: اگر میرے پاس آپ ﷺ کا بال مبارک ہوتا تو وہ میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتا۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۱۷۰۰)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک اور ناخن مبارک تھے۔ فوت ہونے سے پہلے فرمایا کہ میرے فوت ہو جانے پر یہ میرے منہ اور ناک میں رکھ دینا۔ (البدایہ: ۱۸۲/۸ وغیرہ) مگر آپ ﷺ کا پیشاب جس نے پیا لاعلمی میں پیا نہ کہ

آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں تقسیم کیا، نہ ہی صحابہ کرام نے تبرک کے طور پر رکھا۔ اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جس نے آپ ﷺ کے موئے مبارک اور پیشاب کو ایک ہی پلڑے میں رکھا اس نے ظاہر باہر خطا کھائی ہے۔

کیا زمین آپ ﷺ کا بول و براز نگل لیتی تھی؟

آپ ﷺ کے فضلات کے بارے میں یہ بھی تاثر دیا جاتا ہے کہ زمین انھیں نگل لیتی تھی۔ اس بارے میں بھی چند روایات سے استدلال کیا گیا ہے:

پہلی حدیث:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلاء جاتے۔ آپ ﷺ کے بعد میں وہاں جاتی تو وہاں کوئی چیز نہ دیکھتی، میں نے اس کا ذکر آپ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارے جسم اہل جنت کی ارواح پر بنے ہیں۔ ان سے جو کچھ نکلتا ہے زمین اسے نگل لیتی ہے۔ یہ حدیث الحرج و حین لابن حبان (۲۳۵/۱)، تاریخ بغداد (۸/۶۲)، دلائل النبوة للبیہقی (۷۰/۷)، العلل المتناہیہ (۱۸۲/۱) وغیرہ میں ”الحسین بن علوان ثنا هشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ“ کی سند سے منقول ہے۔ ابن حبان نے اسے موضوع اور بے اصل قرار دیا ہے۔ امام بیہقی نے بھی کہا ہے:

”هذا من موضوعات الحسين لا ينبغي ذكره

ففي الاحاديث الصحيحة المشهورة من

معجزاته كفاية عن كذب ابن علوان .“

(دلائل النبوة: ۷۰/۶، شرح الشفاء: ۳۶۰/۱)

للقاري

”یہ حسین بن علوان کی من گھڑت روایات میں سے ہے اس کا

ذکر مناسب نہیں۔ آپ ﷺ کے معجزات کے بارے میں صحیح

مشہور احادیث ابن علوان کے جھوٹ سے کافی ہے۔“

اس کے بعد حسین بن علوان کے بارے میں مزید کچھ لکھنے کی

عبدالله المدنی وهو مجهول .
(الاستیعاب : ٤ / ٤٦٣ ، الاصابة : ٨ / ١٨٣)

”اس کی سند قائم نہیں اس سے ابو عبد اللہ المدنی روایت کرتا ہے اور وہ مجهول ہے۔“

حافظ ابن حجر نے بھی ابو عبد اللہ کو ”لسان المیزان“ (٢ / ٢٠٣) میں مجهول ہی کہا ہے۔ ابو عبد اللہ کا شاگرد عبد الکریم بن عبد الرحمن الخراز بھی ضعیف ہے۔ امام ازدی فرماتے ہیں: ”واہی الحدیث جدا“ حافظ ابن حجر نے اس کی مناکیر میں سے ایک منکر روایت کا بھی ذکر کیا ہے۔ (لسان : ٥٣ / ٣)

عبد الکریم بن عبد الرحمن الخراز کا ترجمہ تہذیب (٢ / ٣٨٣) میں بھی ہے جس میں انھوں نے صرف ابن حبان سے اس کی توثیق نقل کی ہے۔ اور تقریب میں اسے مقبول کہا ہے۔ شیخ عبد الفتاح ابو غدہ ”لسان“ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ جو انھوں نے لسان میں لکھا ہے اس سے خود ان کی اصطلاح کے مطابق یہ مقبول کے درجہ سے کم ہو کر ضعیف کے درجہ میں آ جاتا ہے۔ (حاشیہ لسان : ٢٢٥ / ٢)

لہذا عبد الکریم ضعیف اور اس کا استاد ابو عبد اللہ مجهول ہے۔ اس لیے یہ روایت بالکل ضعیف ہے۔
چوٹی سند:

امام حاکم نے اسی موضوع کی روایت ”موسی بن عبد الرحمن المسروقی حدثنا ابراہیم بن سعد حدثنا المنہال بن عبید اللہ عن ذکرہ عن لیلی مولاة عائشة عن عائشة .“ کی سند سے بیان کی ہے۔

(المستدرک : ٧١ / ٤)

اور اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ لیکن یہ سند بھی قابل التفات نہیں کیونکہ المنہال بن عبید اللہ کا کہیں ترجمہ نہیں ملا۔ شیخ مقبل نے بھی رجال الحاکم (٢ / ٣٣٤) میں صرف اس کا نام ہی ذکر کیا ہے۔ پھر منہال اسے ”عن ذکرہ“ کہہ کر مبہم راوی سے روایت کرتا ہے۔

ضرورت نہیں۔ اس کذاب وضاع کا ترجمہ شائقین میزان (١ / ٥٣٣) اور لسان المیزان (٢ / ٣٠٠) میں ملاحظہ فرمائیں۔ ہم بلاوجہ تطویل مناسب نہیں سمجھتے۔

اس کی دوسری سند:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہی روایت طبقات ابن سعد (١ / ١٤٠)، دلائل النبوة لابن نعیم (٢ / ٢٢٣، ٢٢٤) میں ”اسماعیل بن ابان السوراق حدثنا عنبة بن عبد الرحمن القرشی عن محمد بن زاذان عن ام سعد عن عائشة“ کی سند سے منقول ہے۔ مگر یہ سند بھی سخت ضعیف ہے۔ اختصاراً عرض ہے کہ عنبة بن محمد بن عبد الرحمن قرشی کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ”متروک رہا ابو حاتم بالوضع .“

(تقریب، ص : ٢٦٦)

”یہ متروک ہے اور ابو حاتم نے اسے حدیث گھڑنے سے متہم کیا ہے۔“

اس کا استاد محمد بن زاذان بھی متروک ہے۔ (تقریب، ص : ٢٩٤) ربی ام سعد تو اس کی بھی توثیق ثابت نہیں۔ اس لیے یہ سند بھی سخت ضعیف ہے اور متروک و مجهول راویوں پر مشتمل ہے۔

تیسری سند:

علامہ سیوطی نے اسی موضوع سے متعلق ایک روایت امام ابو نعیم سے ”عبد الکریم الخراز حدثنا ابو عبد اللہ المدینی عن مولاة عائشة“ کی سند سے روایت کی ہے۔ یہ روایت ابو نعیم کی اخبار اصہبان (١ / ١٤٦) میں بھی مذکور ہے جس میں یہ بھی بیان ہے ”مولاة عائشة“ کا نام لیلیٰ ہے۔

علامہ ابن عبد البر نے الاستیعاب میں اور حافظ ابن حجر نے الاصابة میں بھی لیلیٰ مولاة عائشہ کے ترجمے میں اسے ذکر کیا ہے۔ گویا یہ لیلیٰ مولاة عائشہ سے ہے حضرت عائشہ سے نہیں۔ مگر یہ سند بھی ناقابل اعتبار ہے۔ علامہ ابن عبد البر نے کہا ہے:

”حدیثہا لیس بقائم الاسناد روی عنہا ابو

ضرورت خطیب

جامع مسجد محمدی اہل حدیث میں خطیب کی ضرورت ہے۔ شادی شدہ ہوا اور درس نظامی مکمل ہو۔

رابطہ کے لیے ماسٹر محمد علی امیر جماعت اہل حدیث فتح پور پنجابیاں، ضلع رحیم یار خان۔ فون: 0301-4959784

مبشر احمد ربانی کے لیے دعائے صحت

مفتی مبشر احمد ربانی صاحب گزشتہ چند روز سے بعارضہ قلب علیل ہیں۔ احباب موصوف کی صحت عاجلہ و کالمہ کے لیے دعا فرمائیں۔

مولانا قاری عبدالوکیل صدیقی کی وفات پر اظہار تعزیت جماعت کے مشہور خطیب و مبلغ توحید و سنت مولانا قاری عبدالوکیل صدیقی رحمہ اللہ کی وفات پر جماعتی احباب نے اظہار تعزیت کیا ہے۔ ان کے اسمائے گرامی ذیل میں درج ہیں:

۱: حافظ ریاض احمد عاقب، ملتان

۲: مولانا رمضان یوسف سلفی، فیصل آباد

۳: امیر حمزہ حماد طور، ادارہ نصر الائمہ، گوجرانوالہ

۴: مولانا عبدالرحیم اظہر، ڈیرہ غازی خان

۵: حکیم محمد یحییٰ عزیز، ڈاھروی

۶: جماعت مرکزی یہ غرباء اہل حدیث پاکستان، کراچی

۷: مرکزی جمعیت اہل حدیث، ڈیرہ غازی خان۔

(محمد سلیم چنیوٹی)

ضرورت رشتہ

۲۵/۴۰ سالہ سلفی عالم دین، بیوی فوت، ذاتی اچھا

خاصا کتب خانہ موجود، کے لیے ۳۵/۳۰ سالہ خاتون،

فاضلہ عالمہ یا کوئی سلفی اچھے گھرانے سے رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ نمبر: 0300-6425043

مستور کی روایت تو متابعت و شواہد میں جگہ پالیتی ہے لیکن مجہول و مبہم راوی کی روایت اس قابل نہیں ہوتی۔

پانچویں سند:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت امام دارقطنی نے ”الأفراد والغرائب“ میں ذکر کی ہے اسی کے حوالے سے علامہ سیوطی نے اسے الخصائص (۱۷۶/۱) میں نقل کیا ہے اور وہ اطراف الغرائب والافراد (۵۰۱/۵) میں موجود ہے۔

مگر یہ سند بھی صحیح نہیں۔ علامہ ابن الجوزی نے یہی روایت العلل المتناہیہ (۱۸۲/۱) میں ذکر کی ہے اور لکھا ہے: امام دارقطنی نے کہا ہے کہ محمد بن حسان اس میں متفرد ہے اور امام ابو حاتم نے کہا ہے کہ وہ کذاب تھا۔ اس کے ترجمہ میں یہی حدیث اور حافظ ابن جوزی کے حوالے سے یہ منقول ہے کہ انھوں نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو میزان (۵۱۲/۳)، لسان (۱۲۱/۵)، المغنی (۵۶۶/۲)، دیوان الضعفاء (ص: ۲۶۷)۔

علامہ ابن عراق نے بھی تنزیہ الشریعہ (۱۰۲/۱) میں اسے کذابین میں شمار کیا ہے۔ مگر علامہ سیوطی نے کہا ہے کہ یہ سند سب سے زیادہ قوی ہے۔ ابن دحیہ نے کہا ہے کہ محمد بن حسان بغدادی ثقہ صالح ہے۔ مگر یہ دعویٰ بلا دلیل ہے علامہ سیوطی کا یہ قول ابن دحیہ کی پیروی میں ہے۔ سند میں محمد بن حسان الاموی ہے۔ اسے بلا دلیل بغدادی بنا دینا مطلب پرستی ہے۔ علامہ ابن جوزی، حافظ ذہبی، حافظ ابن حجر کے مقابلے میں ابن دحیہ کا قول قابل سماعت نہیں۔ ابن دحیہ خود قابل اعتماد نہیں وہ بلاشبہ صاحب علم تھا مگر متہم بالکذب تھا حتیٰ کہ اس کا اپنے آپ کو حضرت دحیہ کلبی کی اولاد سے قرار دینا بھی اس کے کذب پر مبنی ہے جس کی تفصیل لسان المیزان (۲۹۳، ۲۹۲/۴) میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ایسے شخص کا قول علامہ ابن جوزی، حافظ ذہبی، حافظ ابن حجر اور علامہ ابن عراق کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟

تصورِ آخرت؛ عقل کی روشنی میں

مولانا عبدالعزیز بستیوی

معنویت و دیعت فرمائی اور انسان کو اس میں طرح طرح کے تصرفات کی صلاحیت عطا فرمائی۔ لہذا یہ بات اصول اور ضابطے کی ہے کہ ان تصرفات پر انسان کی باز پرس ہو اور اس کی جزا و سزا کا کچھ اسی طرح کا نظام ہو، جس طرح کا نظام حکومتوں اور سلطنتوں کی زیر نگرانی قائم عدالتوں اور ان سے صادر ہونے والے جزا و سزا کے فیصلوں کی شکل میں رائج ہے، خواہ یہ حکومتیں فوجی ہوں یا جمہوری، ملوکیت کے رنگ ڈھنگ کی ہوں یا اشتراکی طرز کی۔ ٹھیک اسی انسانی فطرت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حساب و کتاب کے لیے ایک دن کا انتخاب کیا ہے، جسے یومِ آخرت کہا جاتا ہے، اس دن انسان کو دنیاوی عدالتوں کی طرح صرف شراٹگیری اور امن کشی پر سزا نہیں ملے گی بلکہ اصحابِ صدق و صفا اور انسانیت کے لیے سوز و درد رکھنے والے بندوں کو خوب نعمتوں سے نوازا بھی جائے گا۔ اس تمثیل سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ تصورِ آخرت کوئی ایسا تصور اور عقیدہ نہیں جو فہم سے بالاتر اور فطرت کے تقاضوں سے ماوراء ہو۔

منکرینِ آخرت کہتے ہیں کہ جب دنیا ہی میں سزاؤں کے لیے عدالتیں قائم ہیں تو کسی اور عدالت کی حاجت نہیں بلکہ اس کے بعد کسی اور عدالت کا قائم کرنا انصاف کے بجائے ظلم ہے، لیکن اس کا جواب خود ہمارے معاشرہ اور سماج اور ملک و ملت کی زبان دے رہی ہے۔ ہمارے ارد گرد پیش آنے والے واقعات اس اعتراض کی تردید و تکذیب کے لیے کافی ہیں۔ آج کتنے ہی مجرم ہیں جو خوریز و سفاک ہیں، عزت و آبرو کے لٹیرے ہیں، بد معاش اور شر پسند ہیں اور حکومت و انسانیت کے باغی ہیں لیکن ہر طرح کی سزاؤں سے آزاد دندناتے پھر رہے ہیں۔ عدالت انھیں سزا دینے کی ہمت نہیں کرتی۔ مقدمات

موت کو سمجھے ہیں غافلِ اختتامِ زندگی
یہ ہے شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی
اسلام امن و آشتی اور اصلاح و سدھار کا ضامن مذہب ہے، جس میں انسانی فطرت اور اس کے مزاج و حالات کی کامل رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اس کے کچھ ایسے بنیادی اور اساسی عقیدے اور تصورات ہیں، جن کے ماننے اور رو بہ عمل لانے ہی میں دینی اور دنیاوی صلاح و فلاح مضمر ہے۔ ان میں اہم ترین عقیدہ توحید، رسالت اور آخرت کا ہے۔ اسلام میں ان کی کیا اہمیت ہے اس کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ کوئی شخص انھیں مانے بغیر مسلمان نہیں ہو سکتا۔

آخرت کا مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد ایک ایسے عالم کا وجود ہوگا، جس میں عالمِ فانی کی ساری کارگزاریوں کا حساب و کتاب لیا جائے گا۔ باز پرس ہوگی اور اچھے برے اعمال کے مطابق جزا و سزا دی جائے گی۔ اچھی جزا جنت کی شکل میں اور بری جزا جہنم کی شکل میں۔

تصورِ آخرت کی صداقت و حقانیت کے لیے موجودہ انسانی دنیا میں جزا و سزا کا تصور اور اس کا عملی التزام (خواہ اس کی شکل کوئی بھی ہو) بڑی ٹھوس دلیل فراہم کرتا ہے مگر جو لوگ مذہب بیزار ہیں اور دنیاوی زندگی میں ہر طرح کے اصولوں اور ضابطوں سے آزاد رہنا چاہتے ہیں وہ بار بار اس لغو بات کو دہراتے ہیں کہ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ حساب و کتاب نہیں شعور و احساس نہیں۔ لیکن یہ نظریہ محض خود فریبی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ۔

موت اک زندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر
اللہ رب العزت نے کائنات کو پیدا کیا، اس میں غیر معمولی

کا مقدمہ پیش ہوا جس نے متعدد افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ جج نے صریح لفظوں میں کہہ دیا کہ اگر اسے قتل کیا جائے تو صرف ایک مقتول کی سزا ہو سکتی ہے اور اگر اسے جیل کی کال کوٹھڑی میں ڈال دیا جائے تو بھی یہ چند روزہ زندگی اس کی سزا کے لیے ناکافی ہے۔

اسی طرح کچھ اربابِ خلوص اور انسانیت کے خیر اندیش ہوتے ہیں جن کے دلوں میں بندگانِ خدا اور مخلوقِ ایزدی کے لیے اچھے جذبات موجزن رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ کتنے ہیں جو اسی راہِ محبوب میں دیوانہ وار فنا اور قربان ہو جاتے ہیں، لیکن ان اربابِ صدق و صفا کی مخلصانہ خدمات کا صلہ اور انعام یہاں کسی بھی حکومت یا کسی بھی ادارے سے نہیں ملتا جب کہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ انھیں ان کی پر خلوص قربانیوں کا صلہ ملے۔ لہذا یومِ جزا و سزا کا تصور فطری حقیقت ہے اور جنت و جہنم کا تصور عین انسانی تقاضا ہے۔

اور اب جب کہ فطرت کا ذکر آ گیا ہے تو آئیے اس پر بھی تھوڑا سا غور کر لیں کہ تصورِ آخرت فطرتِ انسانی کے مطابق ہے یا نہیں؟ انسانی فطرت سہل اور آرام پسند واقع ہوئی ہے، مگر اسے ایسی دنیا اور ایسی فضا ملی ہے جہاں طوفانی تنگ و دو ہے اور غم و ہوم کی لہریں ہیں۔ اس لیے فطرت چاہتی ہے کہ کوئی آرام گاہ ہو جہاں وہ ہر طرح کے غم و الم اور فکر و تردد سے آزاد ہو کر نہایت پرسکون لمحات گزار سکیں اور ایسی آرام گاہ صرف دارِ آخرت ہی ہو سکتی ہے۔ سچ کہا غالب نے۔

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟
منکرینِ آخرت کا یہ عجیب تضاد ہے کہ وہ ایک زندگی کو تسلیم کرتے ہیں مگر اس زندگی کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور حساب و کتاب سے دوچار ہونے کو خلافِ عقل اور محال قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ جس نے ایک بار وجود اور زندگی عطا کی وہ دوبارہ زندگی دینے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے۔

عقیدہٗ آخرت کو مسترد کرنے کے لیے بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں
(باقی صفحہ نمبر ۲۹ ملاحظہ کیجیے)

چلتے ہیں تو وکیل صفائی کی جرحیں اور ہتھکنڈے ان کی گلو خلاصی اور بریت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ بہت سی دفعات کی گرفت ہی میں وہ نہیں آتے اور بسا اوقات جج اور مجرم کی قربت اور ملی بھگت سزا کی تخفیف بلکہ تسخیر کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ کبھی شہادت کی عدم فراہمی سے عدالت سزا عائد نہیں کر پاتی، پھر ان مجرموں کو تو اپنی جگہ چھوڑیے ذرا باز گیرانِ سیاست اور لیڈرانِ ملک و ملت کی فریب کاری، رشوت ستانی اور عیاری و چال بازی پر نظر ڈالیے۔ آپ دیکھیں گے امن و آشتی عدل و مساوات اور مکمل انصاف کے پر فریب نعروں کے پردوں میں کتنے انسانیت سوز اور امن فروش بھیانک چہرے سرگرم عمل ہیں۔ چونکہ یہ خود قانون ساز ہیں اس لیے قانون کی گرفت سے بالاتر ہیں تو عقل یہ بات قبول کر سکتی ہے کہ ان مذکورہ مجرموں اور لیڈروں کو ان کی مجرمانہ بد اعمالیوں اور مکارانہ حرکتوں پر کوئی سزا نہیں ملنی چاہیے؟

اب سوال یہ ہے کہ جب دنیا میں انھیں ان کے کروتات کی سزا نہیں ملتی تو اس کے سوا کیا چارہ کار رہ جاتا ہے کہ آخرت کی آمد کو تسلیم کیا جائے۔ جہاں ہر شخص کو ایک علیم وخبیر ہستی اس کے کروتات کی ٹھیک ٹھیک سزا دے گی اور وہاں کسی قسم کا حیلہ و فریب کام نہ دے سکے گا۔

اسے اس پہلو سے بھی سوچیے کہ بحیثیت انسان ہر ایک کو تحفظ جان و مال کا یکساں حق حاصل ہے۔ تخلیقِ انسانیت میں یکسانیت اور ہم آہنگی نمایاں بھی ہے مگر تاریخ اور واقعات کے صفحات پر چنگیز، ہلاکو اور ہٹلر جیسے بے شمار سفاک نظر آتے ہیں جنھوں نے اپنے جیسے ایک دو کو نہیں بلکہ لاکھوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب سارے انسانوں کی جانی و مالی حالت یکساں ہے تو کیا اس جہان فانی میں انھیں لاکھوں مرتبہ قتل کیا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں کیونکہ اس دنیا میں صرف ایک ہی زندگی اور ایک ہی موت ہے۔ لہذا باقتضائے عقل کوئی ایسی زندگی ضرور ہونی چاہیے جس میں خونریزوں اور سفاکوں کو خلقِ خدا پر ان کے ظلم و تعدی کی پوری پوری سزا دی جاسکے اور یہی زندگی آخرت کی زندگی ہے۔

۱۹۸۰ء کی بات ہے کہ لندن کی ایک عدالت میں ایک ایسے شخص

اعلیٰ اقدار کے امین محدثین با صفا

محمد اشرف جاوید، فیصل آباد

ابن سعد کا بیان ہے:

كان سالم ثقة كثير الحديث عالیا من الرجال
ورعا . (سير: ۴ / ۶۳)
”سالم کثیر الحدیث ثقہ انسان تھے اور لوگوں سے ورع و تقویٰ
کے لحاظ سے بہت بلند تھے۔“

اموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک بیت اللہ میں داخل ہوا تو سالم بن
عبد اللہ کو وہاں جلوہ افروز پایا۔ خلیفہ نے عرض کیا مجھے خدمت کا موقع
دیں۔ سیدنا سالم نے فرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں
بیٹھ کر کسی غیر سے کچھ طلب کروں۔

جب بیت اللہ سے دونوں باہر آئے تو خلیفہ نے پھر عرض کیا اب
کچھ طلب فرمائیں تو سالم نے فرمایا: دنیا یا آخرت خلیفہ نے کہا دنیا۔ تو
سالم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دنیا تو میں نے کبھی اس سے بھی نہیں طلب کی جو
حقیقی مالک ہے آپ تو اس کے مالک بھی نہیں۔

(سير اعلام النبلاء: ۴ / ۶۶)

حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ (م ۱۰۴ھ، ۱۰۷ھ):

ان کی ولادت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی۔ ان کی
شان میں امام ذہبی نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

”الفقيه، الامام عالم المدينة ومفتيها وكان
من اوعية العلم.“ (سير اعلام النبلاء: ۴ / ۴۴۴)
”فقیہ، امام، مدینہ کے عالم اور مفتی اور علم کے سمندر تھے۔“
امام ابن عیینہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

”افضل اهل زمانه.“ (شذرات الذهب: ۱ / ۱۳۵)

”وہ اپنے زمانے کے افضل ترین آدمی تھے۔“

ابی زیاد کا فرمان ہے کہ

محدثین کرام کا ورع و تقویٰ اور حق گوئی ضرب المثل تھی۔ انھوں
نے پوری زندگی اسلام کی سربلندی اور حدیث رسول ﷺ کی حفاظت
و ترویج کا بیڑہ اٹھایا۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں انھیں صرف آخرت کا
فکر دامن گیر تھا، کسی حکمران کی تختی اور تعریف ان کے عزائم کے درمیان
حائل نہ ہو سکی۔ یہ کس قدر دیانت و امانت تھی کہ اسی طرح واقعہ کو بیان
کرتے جس طرح سنتے یا دیکھتے، نہ کمی نہ زیادتی۔

امام نسائی کے ورع و تقویٰ پر اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی
ہے کہ اپنے استاذ امام حارث بن مسکین رضی اللہ عنہ سے انھوں نے جس
حالت میں سماع کیا اسی کو اس انداز، یعنی ”قراءة علیہ و انسا
اسمع“ سے بیان کیا دیگر مشائخ سے اخذ کردہ روایات کی طرح
حدثا، خبرنا کے الفاظ استعمال نہیں کیے۔

جو لوگ اس قدر محتاط ہیں کیا ان سے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ
حکمرانوں کی خوشنودی کی خاطر اپنے ایمان کو داؤ پر لگا دیں گے.....!
ذیل میں محدثین کے چند واقعات لکھے جاتے ہیں۔

سالم بن عبد اللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (م ۱۰۶ھ):

سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے کہا: عبد اللہ رضی اللہ عنہ اعمال و خصال میں
سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بہت مشابہ تھے اور سالم اپنے باپ عبد اللہ
کے۔ (سير اعلام: ۴ / ۴۵۹)

امام مالک رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ سالم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں زہد
و ورع اور علم و فضل میں ان سے بڑھ کر صحابہ کرام کے ساتھ مشابہت
رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱ / ۸۹)

امام ذہبی نے ان الفاظ سے ان کی تعریف کی ہے:

”وكان من افضل اهل زمانه.“ (سير: ۴ / ۶۶۱)

یعنی وہ یتائے زمانہ تھے۔

”وكان ثقة كثير الحديث.“ (سير أعلام النبلاء:

١٠١-٩٦، تذكرة: ١٢٢/٢)

”وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔“

امام ابن خزمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں ان کے زمانہ میں ان جیسا کوئی عالم نہ تھا اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ میں نے کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جس کے منہ سے ابوحازم کی نسبت حکمت کی باتیں زیادہ نکلتی ہوں۔ (تذکرہ: ١٢٢/٢)

ان کے چند حکمت آمیز اقوال ملاحظہ فرمائیے:

١: جس عمل کی سزا سے بچنے کے لیے تم موت کو ناپسند کرتے ہو اسے چھوڑ دو پھر کوئی مرد تم کو نقصان نہیں دے گا۔

٢: جب بندہ اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تعلق درست کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اور دوسرے بندوں کے درمیان باہمی تعلقات کو درست کر دیتا ہے۔

٣: جو بندہ اللہ تعالیٰ سے معاملات کو بگاڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اور دوسرے بندوں کے درمیان تعلقات بگاڑ دیتا ہے۔ بہت سے بندوں کو خوش کرنے کی نسبت ایک ذات کو خوش کر لینا زیادہ آسان ہے۔ (تذکرہ: ١٢٢/٢)

٤: امام ذہبی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ حکمرانوں نے عرض کی کہ کچھ (نصیحت) فرمائیں تو ابوحازم نے کہا:

”إن خير الامراء من أحب العلماء وان شر العلماء من أحب الامراء.“ (سير: ١٠١/٦)

”بہترین حاکم وہ ہے جو علمائے کرام کو محبوب جانے اور بے شک برے علماء وہ ہیں جو حکمرانوں کو پسند کریں۔“

٥: ایک دفعہ ہشام بن عبدالملک نے امام ابوحازم سے پوچھا انسان حکومت کی ذمہ داریوں سے کس طرح نجات پاسکتا ہے؟

فرمایا: یہ بہت آسان کام ہے بس حلال طریقہ کے بغیر کوئی چیز نہ لو اور ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھو۔ ہشام بولا یہ بات درست ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے خواہشات نفسانیہ سے بچالیا اس کے لیے واقعی آسان ہے۔ (تذکرہ الحفاظ: ١٢٢/٢ مترجم)

”ما رأيت فقيها أعلم منه.“

”میں نے ان سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔“

اور سلیمان رحمہ اللہ کو سیدہ عائشہ صدیقہ، سیدنا ابو ہریرہ، عبداللہ بن زید، عبداللہ بن عباس و جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ بعض علماء نے ان کو سعید بن مسیب پر فضیلت دی ہے، بلکہ ابن مسیب کے پاس اگر کوئی شخص فتویٰ لینے کے لیے آتا تو فرماتے سلیمان بن یسار کے پاس جاؤ۔

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: سلیمان علم رکھنے والے لوگوں میں سے ہیں۔ (تذکرہ: ٩١/١، سیر اعلام: ٣٣٥/٣، ٣٣٦، شذرات الذہب: ١٣٧/١)

ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ سلیمان بن یسار رحمہ اللہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے پاس آئے تو خلیفہ نے ان سے سوال کیا:

﴿الَّذِي تَوَلَّى كِبْرًا﴾ [النور: ١١]

اس سے کون مراد ہے؟

آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عبداللہ بن ابی۔ خلیفہ نے کہا آپ غلط (کذب) کہتے ہیں۔ اس سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ انھوں نے کہا: اے امیر المومنین! میں اس آیت (کے مفہوم) کو خوب جانتا ہوں۔

اس کے بعد امام زہری آئے تو ان سے بھی یہی سوال کیا گیا۔ انھوں نے بھی وہی جواب دیا جو سلیمان بن یسار نے دیا تھا۔ خلیفہ نے کہا کہ تم غلط (کذب) کہتے ہو، وہ حضرت علی ہی ہیں۔ زہری کہنے لگے: میں غلط (کذب) کہتا ہوں! تیرا باپ نہ رہے، اللہ تعالیٰ کی قسم اگر آسمان سے پکار آجائے کہ جھوٹ کو حلال قرار دیا گیا ہے تب بھی میں جھوٹ نہ کہوں گا پھر روایت بیان کی کہ عمر وہ بن سعید و عبید اللہ و علقمہ نے بیان کیا وہ سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ وہ عبداللہ بن ابی ہی تھا۔ (فتح الباری: ٣٣٤/٤)

کیا ایسے پارسا حق گولوگ حکمرانوں کے دست و بازو غلط بات پر بن سکتے ہیں؟

ابوحازم سلمہ بن دینار مخزومی رحمہ اللہ (م ١٤٠ھ):

ان کو شیخ مدینہ منورہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کے اوصاف میں لکھا ہے:

امام طبرانی رحمہ اللہ (م ۳۶۰ھ) کی غیرت ایمانی:

امام طبرانی کو حدیث رسول کی تدوین میں ایک مقام حاصل ہے، ان کی کتب مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔

امام طبرانی میں دینی غیرت و حمیت بہت زیادہ تھی۔ امام ابن جوزی نے بیان کیا امام طبرانی رحمہ اللہ دین کے معاملے میں بہت سخت تھے۔ (المعتظم: ۵۴/۷، تذکرۃ المحدثین: ۴۳/۲)

امام صاحب کو جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے غیر معمولی عقیدت و محبت تھی۔ امام ذہبی نے اپنی کتاب میں نقل کیا کہ ابو عمر بن عبد الوہاب سلمی کہتے ہیں: میں نے امام طبری سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ ابن رستم نے مجھے ۵۰۰ درہم وظیفہ دینا شروع کیا۔ آخر جب اس نے حضرت ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی شان میں مخالفانہ رویہ اختیار کیا تو میں نے اس کی صحبت ترک کر دی اور پھر کبھی لوٹ کر اس کے پاس نہیں گیا۔ (تذکرۃ المحدثین: ۴۳/۲، تذکرۃ الحفاظ: ۶۲۵/۲)

محدثین دین اسلام کے محافظ تھے دنیا ان کے سامنے حقیر تھی۔

امام صابونی رحمہ اللہ (م ۴۳۹ھ):

امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کو ان اوصاف سے ذکر کیا ہے: شیخ الاسلام، امام، علامہ، المفسر، المحدث المذکر ابو عثمان اسماعیل بن عبد الرحمن بن حمد نسیابوری الصابونی۔ پھر کہا:

”وكان حافظا، كثير السماع والتصانيف، وسيف السنه ودامغ البدعة.“

(سیر اعلام: ۱۸/۴۲)

”امام صاحب حافظ حدیث اور کثیر السماع و تصانیف

تھے۔ اور سنت کی تلوار اور بدعتیوں کے دماغ کو زخمی کرنے

والے تھے۔“

کثرت عبادت و اطاعت دین کی وجہ سے ان کی مثال بیان کی جاتی ہے۔

ائمہ سلف کے تتبع تھے بلکہ ان کی کتاب ”عقیدۃ السلف واصحاب الحدیث“ مطبوع دار السلفیہ (کویت، سن

اشاعت: ۱۹۹۷ء) ان کے فکر کی ترجمان ہے۔

وہ وعظ و تبلیغ کے آدمی تھے۔ انھوں نے ساری عمر دین کی اشاعت میں گزار دی۔ امام ابن عساکر نے ان کے مفصل حالات اپنی کتاب تاریخ ابن عساکر میں لکھے ہیں۔

امام ابن کثیر نے ایک واقعہ ابن عساکر کے حوالہ سے البدایہ میں نقل کیا ہے۔ ہم قارئین کی نذر کرتے ہیں جس سے ان کی سنت رسول ﷺ کی اتباع کا پتا چلتا ہے۔

ابن عساکر نے امام الحرمین سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا میں مکہ میں تھا اور مذاہب کے بارے میں تردد تھا تو میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرما رہے ہیں:

((عليك باعتقاد أبي عثمان إسماعيل بن

عبد الرحمن الصابوني.)) (البدایة: ۱۸۲

۷۶، سیر اعلام النبلاء: ۱۸/۴۴)

”تم کو ابو عثمان صابونی کے اعتقاد پر قائم رہنا چاہیے۔“

کیا ایسے عدیم المثال محدث، واعظ حکمرانوں کی ہاں میں ہاں ملا سکتے ہیں؟

قاضی منذر بن سعید البلوطی رحمہ اللہ (م ۵۵۰ھ):

امام ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

”كان فقيها محققا خطيبا بليغا، قال ابن بشكوال: لم يكن بالأندلس أخطب منه مع العلم والمعرفة الكاملة واليقين في العلوم والدين والورع وكثرة الصيام والتهجد.“

(سیر اعلام النبلاء: ۱۶/۱۷۴)

”وہ محقق، فقیہ، بلیغ خطیب تھے۔ ابن بشکوال فرماتے ہیں:

ان جیسا خطیب پورے اندلس میں کوئی نہ تھا جو پختہ علم،

معرفت کاملہ، علوم میں ثقاہت، دین داری، ورع و زہد، کثرت

صیام اور شب بیداری جیسی صفات سے متصف ہو۔“

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے تحریر کیا:

کان اماما عالما فصیحا خطیبا شاعرا ادیبا
کثیر الفضل جامعاً لصنوف من الخیر
والتقویٰ والزهد . (بدایہ والنہایہ: ۱۱ / ۲۸۸)
”بڑے عالم امام اور فصیح تھے۔ اسی طرح بڑے خطیب شاعر
وادیب بھی تھے۔ یہ نیکی و تقویٰ اور زہد کی اقسام کی تمام
خوبیوں کے مالک تھے۔“ (بدایہ: ۱۱ / ۲۶۳ اردو، سیر اعلام: ۱۶ / ۱۷۵)
البلوطی ایک اچھے مناظر، دقیقہ رس عالم، مذاہب کے اختلاف پر
دسترس رکھنے والے، ذہین و بلیغ قاضی تھے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے یہ الفاظ ان کی حق گوئی کے لیے کہے ہیں:
والصدع بالحق کان لا تاخذہ فی اللہ لومة
لائم . (سیر اعلام: ۱۶ / ۱۷۴)
”حق کی تڑپ رکھنے والے دین حق کی اشاعت میں کسی
لومۃ لائم کی پرواہ نہ کرتے تھے۔“

ان کا واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ ایک دن ناصر الدین اللہ عبدالرحمن
اموی (اندلسی) کے پاس اس وقت پہنچے جب کہ وہ مدینہ النہرا اور اس
کے قلعوں کی تیاری سے فارغ ہوا تھا جس میں خاص اس کے لیے
بہت بڑا شاندار شاہی محل بھی بنوایا تھا جسے خوشبوؤں سے بسایا گیا اور
پردوں سے سجایا گیا تھا۔ اور اس کے پاس بڑے بڑے تمام امراء اور
ارکان دولت بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی حالت میں یہ قاضی القضاۃ آئے
اور اس کے بغل میں بیٹھ گئے تمام حاضرین مجلس اس عمارت اور ساز
و سامان کی مدح سرائی کر رہے تھے۔ لیکن قاضی صاحب بالکل خاموش
بیٹھے ہوئے تھے ایک لفظ بھی نہیں بول رہے تھے۔ اتنے میں وہ بادشاہ
ان کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے کہا: اے ابوالحکم آپ کیا فرماتے
ہیں؟ یہ سنتے ہی قاضی صاحب اتاروئے کہ ان کی داڑھی پر آنسو بہنے
لگے پھر کہنے لگے کہ مجھے اس بات کی امید نہ تھی کہ شیطان لعنۃ اللہ علیہ
آپ پر اس حد تک حاوی ہو کر آپ کو اس طرح رسوا کرے گا۔ اور دین
اور دنیا ہر جگہ آپ کو ہلاک کرے گا اور اس بات کی بھی مجھے امید نہ تھی
کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی آپ کو فضیلت و صلاحیت بخشی ہے جو دوسرے

بہت سے لوگوں سے بہت زیادہ ہے، ان باتوں کے باوجود آپ کو وہ
کافروں اور فاسقوں کی جگہ بٹھا دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَوْلَا اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ
يَّكْفُرْ بِالرَّحْمٰنِ لِيُيَوِّتِيْهِمْ سُقْفًا مِّنْ فَضَّةٍ وَمَعَارِجَ
عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ۝ وَلِيُيَوِّتِيْهِمْ اَنْوَابًا وَّسُرْرًا عَلَیْهَا
يَتَّكِبُوْنَ ۝ وَزُخْرُفًا﴾ [الزخرف: ۳۳-۳۵]

”اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک طریق پر (کفر
پر) ہو جائیں گے تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان
کے لیے ان کے گھروں کی چھتیں بھی چاندی کی کر دیتے اور
نیز زینے جن پر چڑھا اترتے ہیں اور ان کے گھروں
کے کواڑ بھی اور تخت بھی جن پر تکیہ لگائے بیٹھے ہیں چاندی
نہیں بلکہ سونے کے۔“

بادشاہ نے یہ سن کر سر جھکا لیا اور روپڑا اور کہا جزاک اللہ خیرا۔ اللہ
تعالیٰ مسلمانوں میں آپ جیسے لوگوں کی کثرت فرمائے۔

(بدایہ: ۱۱ / ۲۸۹ عربی، ۱۱ / ۲۶۳ اردو)

اللہ تعالیٰ ہمارے علماء پر بھی رحم کرے اور حق بات کہنے کی توفیق
دے تاکہ حکمران بھی راہ راست پر آجائیں۔
دعا اور اس کا اثر:

ان کی دعا کی قبولیت کا واقعہ بھی حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جب
متکبرین میں نرمی پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ بھی رحمت کر دیتا ہے۔
واقعہ تفصیل کے ساتھ یوں ہے:

ایک سال ملک میں قحط سالی ہو گئی تو بادشاہ نے کسی کے ذریعے
ان کے پاس یہ خبر بھیجی کہ بارش کی نماز کا انتظام کریں اور اس کے
لیے دعا مانگیں۔

جب بادشاہ کا قاصدان کے پاس پہنچا تو انھوں نے اس شخص سے
پوچھا تم نے وہاں سے رخصت ہوتے وقت بادشاہ کو کس حال میں
چھوڑا تھا۔ جواب دیا کہ اس وقت بادشاہ پر بہت خوف طاری تھا اور
دل میں اس کا بہت زیادہ اثر تھا اور دعا اور آہ و زاری میں مشغول تھے۔

قاضی صاحب نے سن کر کہا: اب تم پر بارش ہو کر رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کی قسم جب زمین کے متکبرین اور بڑے لوگوں میں نرمی آ جاتی ہے تو آسمان والا بھی ان پر رحیم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے غلام سے کہا کہ تم لوگوں کو نماز کے لیے جمع کروا اعلان کر دو یہ اعلان سن کر سب لوگ اس میدان میں جمع ہو گئے جہاں نماز استسقاء ہوتی تھی۔

قاضی صاحب آئے اور قرآن مجید کی آیات تلاوت کیں:

﴿سَلِّمْ عَلَیْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اِنَّهُ مِّنْ عَمَلٍ مِنْكُمْ سُوءٌ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [الأنعام: ۵۴]

”تم پر سلامتی ہو تمھارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے ذمے مقرر کر لیا ہے کہ جو انسان تم میں سے کوئی برائی کا کام کر بیٹھے جہالت (نادانی) سے پھر وہ اس کے بعد توبہ کرے اصلاح کرے (اپنی حالت درست کرے) بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات بخشنے والی اور رحم والی ہے۔“

یہ آیت بار بار تلاوت کی اور سنتے ہی لوگوں کے دلوں پر اثر پڑا اور وہ رونے لگے اور آہ و زاری میں لگ گئے۔ کچھ دیر تک یہی حالت رہی بالآخر وہیں بارش ہو گئی اور پانی میں گرتے پڑتے اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ (البدایہ والنہایہ: ۲۸۹/۱۱، سیر اعلام: ۱۷۶/۱۶)

محدث اسلام حافظ عبدالغنی مقدسی رحمۃ اللہ علیہ (۶۰۰ھ):

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو الامام، العالم، الحافظ الکبیر، الصادق، القدوة، العابد، الاثری، المتبع کے القاب سے یاد کیا ہے۔

(سیر اعلام: ۲۳۳/۲۱)

جب امام صاحب کوئی منکر امر دیکھتے تو اس کو اپنے ہاتھ یا زبان سے روکنے اور مٹانے کی کوشش فرماتے تھے اور رضائے الہی کے مطابق عمل کرنے میں کسی کی ملامت کی مطلقاً پروا نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ نے ایک مے فروش کی شراب زمین پر گرادی وہ تلوار لے کر اٹھا اور آپ پر حملہ کرنا چاہا مگر آپ طاقت ور اور توانا تھے۔ خوف زدہ ہونے کی بجائے آگے بڑھے اور اس کے ہاتھ سے

تلوار چھین لی اور اسی طرح آپ نے گانے بجانے کے آلات بھی توڑ ڈالے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۹۳۰/۲، ۹۳۱، سیر اعلام النبلاء: ۲۱/۳۵۴)

یہ عوام الناس کے ساتھ معاملہ تھا۔ آپ کی حالت تو یہ تھی کہ حکمرانوں کو بھی بُری باتوں سے روکتے اور ان کے لعب و لہو کے آلات کو موقع ملنے پر توڑ دیتے تھے جیسا کہ واقعہ ہے:

ایک دفعہ اہل بدعت نے جیرون کی سیڑھی کے پاس بہت سے آلات لہو و لعب اور ڈھولک طنبورے جمع کر دیے۔ حضرت الامام حافظ مقدسی آئے تو انھوں نے اکثر و بیشتر توڑ پھوڑ ڈالے اور اوپر چڑھ کر خطبہ دینے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد بادشاہ کا قاصد آیا اور کہنے لگا قاضی شہر آپ کو بلاتے ہیں اور دف اور دیگر آلات ملائی کے بارے میں آپ سے مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا یہ سب چیزیں حرام ہیں اس لیے میں نے توڑ دی ہیں۔ مجھے قاضی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں اگر اسے ضرورت ہے تو یہاں آجائے۔ تھوڑی دیر کے بعد قاصد پھر آیا اور کہنے لگا آپ نے بادشاہ کی دل لگی اور خوش طبعی کا سامان ضائع کر دیا ہے۔ اس لیے آپ کو ضرور آنا پڑے گا۔ اس پر آپ نے غضب ناک ہو کر کہا:

”ضرب الله رقبتہ ورقبۃ السلطان.“ (تذکرۃ

الحفاظ: ۱۲ / ۹۳۱ اردو، طبع لاہور، سیر اعلام

النبلاء: ۲۱ / ۴۵۶)

”اللہ تعالیٰ اس کی اور بادشاہ کی گردن مارے۔“

یہ سن کر قاصد چلا گیا پھر کسی نے ادھر کا رخ نہیں کیا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (۲۴۴ھ) (۶۷۶ھ):

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے اوصاف میں لکھا ہے:

آپ کا ورع اور زہد ضرب المثل تھا اور شیخ محی الدین نووی میں تین ایسی خوبیاں بہ درجہ کمال تھیں اگر ان میں سے ایک بھی کسی شخص میں پائی جائے تو اس کی طرف عقیدت مندوں مستفیدین کے تانتے بندھ جائیں: ۱۔ علم وزہد، ۲۔ امر بالمعروف، ۳۔ نہی عن المنکر۔

(تذکرۃ الحفاظ: ۱۰۱/۲)

حضرت امام فقہ، حدیث کے علاوہ دیگر فنون کے بھی ماہر تھے۔
ابن ناصر الدین کا قول ہے:

الحافظ القدرة والامام شیخ الاسلام کان
فقیہ الامۃ وعلم الأئمة . (شذرات الذهب: ۳۵۶/۵)
”حافظ، القدرة شیخ الاسلام امام نووی فقیہ امت اور علم کے
امام تھے۔“
زہد و تقویٰ:

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان کا زہدیوں بیان کیا:
کان من الزہاد والعبادة والورع .

(بدایہ: ۲۷۹ / ۱۳)

”ان کا شمار زہاد، عباد اور اہل تقویٰ میں ہوتا ہے۔“

امام صاحب کے اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ آپ اپنا وقت
ضائع نہ کرتے، روزے رکھتے اور دنیاوی امور سرانجام دیتے وقت
قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہتے اور لباس انتہائی سادہ اور خوراک
بہت کم اور سادہ ہوتی۔

شب و روز علم کی تحصیل، درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور
اشاعت علم میں مشغول رہتے۔ مدتوں اس حال میں گزارہ کرتے کہ
پہلو زمین پر رکھ کر اطمینان اور چین سے سونا نصیب نہ ہوا۔ کھیلنے کی
طرف طبیعت بالکل راغب نہ تھی۔

بڑے متدین، عابد اور زاہد تھے۔ برابر عبادت ذکر الہی اور
وظائف میں مصروف رہتے۔ (تذکرۃ المحمدین، ج: ۲)

امام ذہبی نے لکھا ہے کہ انھوں نے تصنیف و تالیف کے ساتھ
ساتھ مجاہدہ و تزکیہ نفس تقویٰ و طہارت اور معمولی جزئی باتوں میں
احتیاط کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا۔ خواہش نفس کو یکسر پامال کر دیا تھا۔
شب بیدار حامی دین اور ناصرت قاری قرآن تھے۔ آپ کا ورع
اور زہد ضرب المثل تھا۔ (تذکرۃ الحافظ: ۱۰۰۱/۲، تذکرۃ المحمدین: ۳۹۳)

امام نووی دار الحدیث دمشق میں شیخ الحدیث کے ممتاز عہدے پر
فائز رہے، اور مدرسہ اقبالیہ میں مؤرخ ابن خلکان کے جانشین مقرر

کیے گئے اور ان کی وفات کے بعد درس و تدریس کی خدمت انجام
دی۔ (تذکرہ امام ذہبی: ۱۰۰۱/۲، بدایہ: ۲۷۹/۱۳)

عقیدہ و مسلک:

عام امام صاحب سلف صالحین اہل سنت کے مذہب پر سختی سے عمل
پیرا تھے حدیث و سنت کی اتباع اور سلف کے مسلک کی ہم نوائی اور اس
کی دعوت و تلقین ان کا طرہ امتیاز تھا۔ (تذکرۃ المحمدین: ۲۹۹/۲)
امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

عمر بھران امور کے لیے ان کی زندگی کا سفر رہا۔ امام ذہبی رحمہ اللہ
نے لکھا:

۱: ملک عادل کو کئی دفعہ عدالت کے کٹھنوں میں کھڑا کیا۔ چنانچہ وہ
کہا کرتا تھا کہ مجھے ان سے ڈر لگتا ہے۔ (تذکرۃ الحافظ: ۱۰۰۱/۲)
آپ حق کا برملا اعلان کرنے کے عادی تھے۔ ملوک و سلاطین اور
ظالم امراء کے مظالم کا ان کے منہ پر ڈر کرتے تھے۔ کبھی بہ ذریعہ خط
انھیں خوفِ خدا یاد دلاتے تھے۔

امام ابن کثیر نے بھی تحریر کیا ہے کہ حضرت الامام حکمرانوں کو نیکی کا
حکم اور برے امور سے منع کرتے۔ (بدایہ: ۲۷۹/۱۳)

ہر کسی سے تحائف قبول نہ کرتے:

امام ذہبی کے یہ قول کبھی حمام میں داخل نہیں ہوئے اور کبھی
نذرانوں، تحائف اور صدقات کا ایک درہم بھی قبول نہیں کیا۔ آپ
کے والد ماجد خشک روٹی اور انجیر مہیا کرتے صرف اسی پر گزر بسر
کرتے۔ (تذکرہ: ۱۰۰۱/۲)

ہدایا، تحائف قبول نہ کرتے تھے۔ خصوصاً غیر متعلق لوگوں کے البتہ
جن لوگوں سے واقفیت ہوتی تھی اور ان کے ہدایا کے بارے میں
اطمینان ہوتا ان کو قبول کرنے سے زیادہ انکار نہ کرتے۔ ایک دفعہ ایک
فقیر نے ہدیہ کیا تو اس کو بھی قبول کر لیا۔ (تذکرہ: ۱۰۰۱/۲)

دار الحدیث کے منصب صدارت پر فائز ہونے کے باوجود
معاوضہ میں ایک جہہ بھی نہیں لیا بلکہ سادہ لباس پر قناعت کی۔

(تذکرۃ المحمدین: ۳۹۴/۲)

اردو نثر کا ارتقاء اور ولی اللہی تحریک

منظہر علی انصاری

شاہانِ مغل کی بے کسی، سکھوں کی غارتگری، مرہٹوں کی بغاوت، یورپین اقوام کی ہندوستان پر حریصانہ نگاہیں۔ انگریزوں کا بنگال و بہار میں عمل دخل اور پورے ہندوستان پر حکومت کی کوشش مسلمانوں کی زبوں حالی، مذہب سے دوری، اخلاقی گراؤ و پستی، اقتصادی بد حالی، امراء کی عیش پرستی اور علماء کی بے حسی۔ یہ تھے وہ حالات و انقلابات اور اٹھارھویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے آغاز کا ہندوستان جس میں شاہ ولی اللہ نے آنکھ کھولی۔

شاہ صاحب نے علوم ظاہری و باطنی سے فراغت کے بعد قوم و ملک کے زوال اور علمی و فکری انحطاط کے اسباب کا جائزہ لیا اور سوسائٹی کا مطالعہ کرتے ہوئے اپنی مہتم بالشان تحریک شروع کی، جو سیاسی، مذہبی، اقتصادی اور سماجی تحریک تھی۔ زبان و قلم، تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کے ذریعے امت مسلمہ کو بیدار کیا۔ انھیں اتحاد اور خالص اسلام کی طرف لوٹنے اور عملی زندگی میں اسے اپنانے کی دعوت دی اور اسی کے ساتھ ساتھ اپنی دعوت و تحریک کو آگے بڑھانے اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنے صاحبزادگان اور رفقاء کی ایک عظیم جماعت بھی تیار کی، جس نے تعلیم و ارشاد اور تصنیف و تالیف کے ذریعے انقلابی تحریک کو آگے بڑھا کر اسے عمل کا راستہ دکھایا۔ اس کے بعد شاہ صاحب کے پوتے شاہ اسماعیل شہید نے ان کے افکار و نظریات کی تنقیح و تہذیب اور عقائد میں راستگی و پختگی پیدا کرتے ہوئے سید احمد شہید کی رفاقت و امارت میں وعظ و تبلیغ کے ذریعے رسوم و معاشرت کی اصلاح کے ساتھ ساتھ عوام میں رابطہ اتحاد اور ولولہ جہاد پیدا کیا، اور اس تحریک کو ایک متحرک عوامی، جہادی اور انقلابی تحریک میں بدل دیا۔ جو دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک پر چھا گئی

انیسویں صدی کی سب سے جاندار، اثر انگیز اور مشہور و معروف تحریک کو ولی اللہی تحریک کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ اس تحریک کا سرچشمہ درحقیقت شاہ ولی اللہ ہی کے افکار و خیالات تھے اور اس وقت سے لے کر آج تک جتنی بھی مؤثر تحریکات برصغیر میں اٹھی ہیں، سب پر اسی کی چھاپ نظر آتی ہے۔

شاہ صاحب کی ولادت عالمگیر کی وفات سے چار سال قبل ۱۱۱۴ھ میں اور وفات شاہ عالم کے عہد میں ۱۱۷۶ھ میں ہوئی۔ اس طرح شاہ صاحب کو دس سلاطین دہلی اور ان کے عہد حکومت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس عہد میں ہند اور مسلمانانِ ہند کی کیا حالت تھی اور انھیں کن کن لرزہ خیز واقعات و حوادث سے گزرنا پڑا۔ اس سے کون واقف نہیں۔ شاید تہذیبی اور ثقافتی تاریخ کا یہ مسئلہ اصول ہے کہ اس طرح کی عبقری شخصیتیں تاریخ کے ایسے ہی دور میں پیدا ہوتی ہیں جسے دور زوال و انحطاط کہا جاتا ہے۔ تہذیب کے ہر کھنڈر پر ہمیں کچھ نہ کچھ رونے والے ملتے ہیں، جن کے گریہ نیم شبی اور آہ سحرگاہی نے قوموں کو دل و جگر کی گرمی عطا کی ہے انھیں نئے سرے سے جوش و جذبہ اور ولولوں سے روشناس کیا ہے، ان میں نئی زندگی کی روح پھونکی ہے۔ اس طرح کے لوگوں کی پیدائش کا زمانہ قوموں کا دور زریں نہیں ہوتا بلکہ عموماً دم توڑتی ہوئی تہذیب کے کھنڈر اور بگڑے ہوئے سماج کے بلے پر کسی عمر بن عبدالعزیز کا، کسی ابن تیمیہ کا، کسی صلاح الدین ایوبی کا، کسی محمد بن عبدالوہاب کا، کسی شاہ ولی اللہ کا اور کسی اسماعیل شہید کا وجود ہوتا ہے۔

کچھ یہی صورت حال اس برصغیر کی تھی۔ ساداتِ بارہ کی فتنہ انگیزی، ان کا تسلط و زوال، ایرانی و تورانی امراء کی رقابت و رسہ کشی،

اور آج برصغیر میں جہاں کہیں بھی کچھ روشنی نظر آتی ہے اسی تحریک جہاد کا پرتو اور عکس ہے۔

یہ تحریک اگرچہ اصلاً دینی، تجدیدی، اصلاحی اور احیائی تحریک تھی، تاہم اس کی صوفیانی سے اردو ادب بھی سنورتا رہا، یعنی جدید اردو نثر کی تاریخ اور اس کے ارتقاء میں اس کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔

آئندہ سطور میں اسی پہلو کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جدید نثر کی تعمیر و ترقی میں اس تحریک کا کیا کردار رہا ہے۔ مناسب ہوگا کہ جدید اردو نثر کی ہیئت کدائی کا پتہ لگانے کے لیے اردو نثر کی ابتدائی نشوونما پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔

مؤرخین زبان اردو کا عام خیال ہے کہ نثر کی ابتدائی نشوونما کا فخر دکن کو حاصل ہے، شمال میں فضلی کی وہ مجلس ۱۱۴۵ھ اور کر بل کتھا اردو کی پہلی تصنیفیں خیال کی جاتی تھیں مگر موجودہ تحقیق نے حضرت سید محمد کیسود راز کی تصنیف معراج العاشقین کی عبارت کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا کہ اردو نثر کی تخم ریزی نویں صدی ہجری سے قبل ہو چکی تھی اور نشوونما نویں صدی ہجری میں ہوئی۔ چنانچہ دکن کے ایک بزرگ میران جی شاہ (م ۹۰۲ھ) کے کئی رسالے ملتے ہیں اور ادبی نقطہ نگاہ سے اس دور کی کتابوں میں وجہی کی ”سب رس“ قابل ذکر ہے، جس کا سن تصنیف ۸۴۵ھ ہے اور قدیم اردو میں خاص ممتاز حیثیت رکھتی ہے اس کی عبارت مقفی و مسجع ہے۔ انیسویں صدی سے قبل اردو نثر کا عام انداز یہی تھا اور یہی کمال فن تصور کیا جاتا تھا، قافیہ پیمائی اور مسجع کی رعایت کی جاتی تھی، بعد از کار تشبیہات واستعارات کا استعمال، فارسی و عربی الفاظ سے عبارت کی تزئین کاری اور پر تکلف انداز بیان عبارت کو پیچیدہ سے پیچیدہ تر بنا دیتا تھا۔ اس دور کی نثر اور عوام کی پسندیدگی کا اندازہ رجب علی بیگ سرور کی مشہور و معروف کتاب فسانہ عجائب سے لگایا جاسکتا ہے اور اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ نادر شاہ کا قاصد جب ہندوستان آیا تو محمد شاہ کے منشیوں نے القاب و آداب کی جستجی کی سوچ میں تین سال صرف کر دیے۔ اس طرز نگارش اور اسلوب کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ یہاں فارسی کا غلبہ واقعہ تھا،

جس سے اردو نثر کا متاثر ہونا لازمی تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی شعر و شاعری کا چسکا، نظم و شعر کی ہر دل عزیز کی دل کشی۔ چنانچہ فضلی کی وہ مجلس اور مرزا حسین خان تحسین کی نو طرز مرصع (چہار درویش (ترجمہ) وغیرہ کی عبارت کچھ اسی قسم کی مقفی و مسجع ہے اور ان کا انداز بیان پوری طرح پُر تکلف ہے۔ لیکن تکلفات نثری کا یہ طلسم تا دیر باقی نہ رہ سکا اور رفتہ رفتہ یہ انداز و اسلوب بالکل متروک ہو گیا بلکہ اسے ایک عیب سمجھا جانے لگا اور اب ترقی پذیر یا ترقی یافتہ اردو ادب میں سلاست و روانی، سہل و آسان اسلوب کو فنی حیثیت سے باعث کمال سمجھا جاتا ہے اور مفہوم و معانی کو اولیت اور طرز ادا کو ثانوی درجہ دیا جاتا ہے۔

سر سید احمد خاں کو اس جدید نثر کے اولین معماروں میں شمار کیا جاتا ہے کہ انھوں نے جدید نثری اسلوب کی بنیاد ڈالی، انشا پر دازی کی پرانی رسموں کو توڑا، پر تکلف اسالیب فارسی سے اردو نثر کو آزاد کرتے ہوئے اسلوب میں جدید رجحانات کے لیے راستہ صاف کیا۔ نثری عبارت آرائی کے خلاف آواز اٹھائی اور طرز ادا کے مقابلے میں مدعا نویسی اور مطلب نگاری کو مقصد اولین ٹھہرایا اور پھر فورٹ ولیم کالج اور دہلی کالج نے جدید نثری اسلوب اور سادہ و سلیس عبارتوں کو رواج دیا۔ لیکن یہ بات تاریخی حیثیت سے صحیح نہیں۔ مولانا الطاف حسین حالی کا بیان ہے کہ سر سید کے یہاں بھی جو آزادی خیال، جرأت گفتار اور بے باکی افکار ہے، اس کا سرچشمہ بھی دراصل مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریریں اور تقریریں ہیں۔ میرے خیال میں اس پر تھوڑا سا یہ اضافہ بھی تاریخی حقیقت کے خلاف نہ ہوگا کہ سر سید کے یہاں جو سادگی، بے تکلفی، مدعا نویسی اور طرز ادا کی ثانوی حیثیت پائی جاتی ہے وہ بھی دراصل مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی تحریک کے مجاہدین کے قلم کی صدائے بازگشت ہے۔

جیسا کہ بیان کیا گیا یہ تحریک دراصل ایک تجدیدی اور احیائی تحریک تھی، جس کا مقصد اصلاح رسوم و معاشرت، احیائے اسلام اور تجدید دین تھا، اس مقصد کے حصول کے لیے اصحاب تحریک نے زبان و قلم دونوں کا سہارا لیا۔

القرآن کے نام سے تفسیری حاشیہ بھی لکھا، بطور نمونہ موضح القرآن کے دیباچے سے ایک دو جملے ہدیہ ناظرین کیے جا رہے ہیں، جن سے ان کے زبان و بیان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

”اس نبی امت پر در کو اپنی رحمت کامل سے درجاتِ اعلیٰ نصیب کر جو حد نہ ہو کسی مخلوق کی، اور اپنی عنایت ہمیشہ ان پر روز افزوں رکھ، دنیا و آخرت میں۔“

قرآنی ترجمے اور مذہبی خدمت کے یہ پہلے نمونے ہیں جو اردو نثر میں پائے جاتے ہیں، اس طرح زبانِ اردو جواب تک مذہبی سرمایہ سے تہی دامن تھی، اس تحریک کی بدولت مذہبی عناصر سے مالا مال ہو گئی۔

البتہ اتنا ضرور ہے کہ ترجمے میں کچھ الفاظ کے اندر بے ترتیبی اور کہیں کہیں الفاظ کی نشست میں کچھ ڈھیلا پن نظر آئے گا۔ مگر اس کی اصل وجہ زبان کا ابتدائی زمانہ اور فارسی و عربی سے لفظی ترجمے کا خیال ہے لیکن اس سے انکار نہیں کہ ترجمہ تبلیغی ضرورتوں کے پیش نظر اصول زبان کو ملحوظ رکھتے ہوئے انتہائی سادہ، سلیس اور آسان اسلوب میں کیا گیا ہے، تاکہ عوام اس کے معنی و مفہوم کو بآسانی سمجھ سکیں جیسا کہ خود ان کے دیباچہ موضح القرآن سے معلوم ہوتا ہے: ”اس بندہ عاجز کو خیال آیا ہے کہ ہندی زبان میں قرآن شریف کا ترجمہ کرے۔ ترجمہ لفظ بہ لفظ نہیں۔ کیونکہ ہندی ترکیب عربی ترکیب سے مختلف ہے، یہ ترجمہ ہندی متعارف (اس تحریک کے علماء اس عہد کی اردو کو ہندی ہی کا نام دیتے تھے) میں ہے۔“

اس تحریک کی تصانیف، رسالے اور لٹریچر تبلیغی و دعوتی ضرورتوں کے تحت لکھا گیا تھا، اس لیے کہ اس کے مخاطبین براہِ راست عوام اور اکثر دیہی علاقوں میں اس تحریک کے اثر و نفوذ کی وجہ سے دیہی باشندے بھی تھے۔ اس لیے یہ ضرورت اس بات کی متقاضی تھی کہ تصانیف میں عام فہم اور سادہ و سلیس زبان ہی اختیار کی جائے۔ چنانچہ ان لوگوں نے قدیم تکلفاتِ نثری کے طلسم کو توڑتے ہوئے سادہ اور آسان طرز کو اپنایا، جو نہایت مقبول رہا۔ شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی

اس تحریک کے راہنماؤں نے بڑی تعداد میں رسالے اور کتابچے لکھے اور عوام و خواص میں ان کی خوب خوب اشاعت کی۔ ان رسالوں اور کتابچوں کی مذہبی اور تاریخی حیثیت مسلم مگر ان کا ادبی پہلو بھی کم اہم نہیں۔ نوکِ قلم کا مقصد وہی تھا جو تنقید زبان کا تھا، یعنی سنتِ نبوی کی اشاعت، بدعات و خرافات سے حفاظت، اصلاحِ رسوم و معاشرت اور اپنے خیالات کو واضح اور مؤثر انداز میں پیش کرنا، اس لیے باتیں مدلل اور طرزِ تحریر منطقی ہوتا، جذباتی اور پر تکلف نہیں۔ نثر سیدھی سادی اور سلیس ہوتی، علیت کا شکار اور قصص و تکلف سے بوجھل نہیں۔ چنانچہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ سب کوتاہیوں اور خامیوں کے باوجود نثر کو نثر بنانے اور محض قصص سے گلو خلاصی حاصل کرنے اور اس سادہ و سلیس نثر کو رواج دینے میں ان رسالوں اور کتابوں کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

پروفیسر کلیم الدین ”اپنی تلاش میں“ لکھتے ہیں:

”یہ رسالے یہ کتابیں ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچتیں جو موافق تھے انھوں نے پڑھا ہی اور مخالفین نے بھی پڑھا اور اپنے اپنے طور پر متاثر ہوئے۔ ان رسالوں اور کتابوں کا اردو نثر کو نثر بنانے اور قصص سے پیچھا چھڑانے میں بہت بڑا ہاتھ تھا، جس کو اردو ادب کے مؤرخ نے ابھی نہیں سمجھا۔“

”یہاں نثر سے نثر کا ہی کام لیا گیا اور ایسا ڈھانچہ تیار کیا گیا ہے جس کو آگے چل کر بقولموں شکل میں پیش کی جاسکے اور یہی اس نثر کی اہمیت ہے۔“

اس تحریک کی بدولت اردو نثر میں گراں قدر اضافے اور ترجمے بھی ہوئے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ترجمہ قرآن کے ذریعہ قرآنِ فہمی کی جو بنیاد ڈالی تو یہ سلسلہ و روایت ان کے خاندان میں قائم رہا۔ آپ کے صاحبزادے مولانا رفیع الدین نے سب سے پہلے قرآن کا ترجمہ اردو زبان میں کیا، اس کے بعد انھی کے برادر بزرگوار شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے ۱۲۰۵ھ-۱۷۹۰ء میں زبان کے صحیح اصول اور تبلیغی تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن کا اردو ترجمہ کیا جو زبان و بیان کے لحاظ سے انتہائی قدر و قیمت اور اہمیت کا حامل ہے، ترجمے کے ساتھ ساتھ موضع

تقویۃ الایمان، سیکڑوں مرتبہ شائع ہوئی۔ اتنی مقبولیت اردو کی کسی کتاب کو حاصل نہ ہو سکی۔

شاہ اسماعیل شہید کی یہ تصنیف ایسی سلیس، صاف ستھری اور مربوط اردو میں لکھی گئی ہے کہ اس عہد کی اردو کی چند ہی کتابیں اس کا مقابلہ کر سکتی ہیں، ذرا اس عہد کی زبان کو ذہن میں رکھتے ہوئے تقویۃ الایمان کے اقتباس زیریں کو ملاحظہ فرمائیے:

”انسی لا ارید ان ترفعونی فوق منزلتی التی انزلنیہا اللہ تعالیٰ، انا محمد بن عبد اللہ ورسولہ۔“ کی تشریح میں رقم طراز ہیں:

”پیغمبر خدا اپنی امت کے بڑے مربی و شفیق تھے اور ان پر بہت مہربان اور رات دن ان کو اپنی امت کے دین ہی درست کرنے کی فکر تھی، سو جب انھوں نے معلوم کیا کہ میری امت کے لوگ مجھ سے بڑی محبت رکھتے ہیں اور بہت احسان مند ہیں اور یہ دستور ہے کہ جب کسی کو کسی کی محبت ہوتی ہے تو اپنے محبوب کے خوش کرنے کو اس کی تعریف میں حد سے بڑھ جاتا ہے اور جو پیغمبروں کی تعریف میں حد سے بڑھے گا تو خدا کی بے ادبی کرے گا اور اس سے اس کا دین بالکل برباد ہو جائے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ مجھ کو مبالغہ خوش نہیں آتا، سو میرا نام محمد ہے نہ اللہ نہ خالق نہ رازق۔ اور سب آدمیوں کی طرح اپنے باپ ہی سے پیدا ہوا ہوں اور بندہ ہی ہونا میرا فخر ہے۔“

سر سید احمد خان کے یہاں جو خصوصیات نشر، سادگی، بے تکلفی، مدعا نویسی بیان کی جاتی ہے اور اس بنا پر انھیں جدید نثری اسلوب کے اولین معماروں میں شمار کیا جاتا ہے، تو کیا یہ خصوصیات جس درجہ تقویۃ الایمان میں موجود ہیں اس سے بھی زیادہ مکمل شکل کے اندر پائی جاسکتی ہیں؟

مولانا خرم علی جو اس تحریک سے وابستہ تھے، انھوں نے شاہ ولی اللہ کی کتاب ”القول الجلیل فی بیان سواء السبیل“ کا اردو ترجمہ کیا۔

ان کی دوسری کتابیں ”ہدایۃ المسلمین“ اور ”نصیۃ المسلمین“ وغیرہ بھی ہیں جن کی زبان سادہ، سلیس، شگفتہ اور عام فہم ہے۔

غرض کہ ولی اللہی تحریک کی تصانیف اور رسالے اردو نشر کے ارتقاء میں انتہائی قدر و قیمت کے حامل ہیں۔ انھوں نے جدید نثری اسلوب کے لیے زمین ہموار کی اور حقیقت یہ ہے کہ اس تحریک کے اصحاب قلم کا اسلوب تحریر ایسا انوکھا اور زبان ایسی صاف سلیس اور سہل تھی کہ وہ خاصی مقبول رہی اور لوگوں نے اس کا تتبع کیا، اس طرح اس کی سرحدیں مستقبل سے مل گئیں اور اس تحریک نے اس سادہ نثر کے رواج میں جو حصہ لیا وہ فورٹ ولیم کالج یا دہلی کالج سے کسی طرح کم نہیں۔ فورٹ ولیم کالج کی نثر قصوں اور کہانیوں سے آگے نہ بڑھ سکی مگر تحریک نے اسے جملہ حقائق و واقعات کے اظہار کا ذریعہ بنادیا۔

ضروری اعلان

ہفت روزہ ”الاعتصام“ لاہور میں مضامین ارسال کرنے والے خواتین و حضرات درج ذیل باتوں کا ضرور خیال فرمایا کریں:

- ⊙ مضمون کاغذ کی ایک طرف لکھا ہو، صاف ستھرا اور حاشیہ چھوڑ کر لکھیں۔
- ⊙ مضمون مدلل، باحوالہ، آیت، حدیث اور کتب کے نام و صفحہ نمبر مکمل تحریر فرمائیں۔

- ⊙ جلسوں، کانفرنسوں کے اشتہارات یا اعلانات بھیجنے والے احباب اس کا اعلان جلسہ یا کانفرنس کے انعقاد سے پندرہ دن پہلے ارسال کر دیا کریں، نیز ان جلسوں یا تقاریب کی رپورٹ وغیرہ شائع کرنے سے ادارہ قاصر ہے۔

- ⊙ مضمون ارسال کرنے والے شائع ہونے کے لیے اپنی باری کا انتظار کیا کریں نیز غیر معیاری مضامین کی اشاعت سے اداہ معذرت خواہ ہے۔ امید ہے قارئین دفتر الاعتصام سے تعاون کریں گے۔ (منیجر)

محدث سندھ

مولانا بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ

محمد رمضان یوسف سلفی، فیصل آباد

۲۱

شاہ صاحب کے مناظرے:

مناظروں اور مباحثوں کا سلسلہ زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ قرآن مجید میں اس سلسلے کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں مذکور ہے کہ انھوں نے ایک مناظرہ اپنی قوم سے کیا اور دوسرا نمرود سے اور ان میں اللہ رب العزت کی توحید کو کھلے بندوں بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ میں اس واقعہ سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِي حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِى رَبِّهٖ اَنْ اَتَتْهُ اللّٰهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِى يُحٰى وَيُؤَيِّتُ قَالَ اَنَا اُحٰى وَاُمِّيْتُ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَآتِى بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَلَا تُبٰهٖمِ مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِى كَفَرَ وَاَللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ [البقرة: ۲۵۸]

”اے پیغمبر! کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جو سلطنت پا کر ابراہیم علیہ السلام کے رب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا، جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندہ رکھتا اور مارتا ہے وہ (نمرود) کہنے لگا: میں بھی زندہ رکھتا اور مارتا ہوں، ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے تو اسے مغرب سے طلوع کر کے دکھا، اب وہ حیران رہ گیا، اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

ان قرآنی دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ حق کے اظہار اور باطل افکار و نظریات کی سرکوبی کے لیے مناظرے کرنا نہایت ضروری ہے۔ مناظروں اور مباحثوں سے گھبرانا نہیں چاہیے، اس سے مسائل کی

عقدہ کشائی ہوتی ہے اور تحقیق و جستجو کا پہلو نکھر کر سامنے آتا ہے۔ ایک بار سلطان المناظرین حافظ عبدالقادر روپڑی رحمہ اللہ نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ کسی نے مناظر اسلام مولانا احمد دین لکھڑوی رحمہ اللہ سے کہا کہ مناظرے نہیں ہونے چاہئیں ان میں جھگڑا ہو جاتا ہے۔ مولانا برجستہ کہنے لگے: شادی بھی نہیں ہونی چاہیے اس میں طلاق ہو جاتی ہے۔ (ماہنامہ صراطِ مستقیم کراچی، ستمبر ۱۹۹۴ء)

برصغیر پاک و ہند کا خطہ جو مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد کی آبادی پر مشتمل ہے، یہاں شروع سے ہی مذہبی مباحث میں گرمی رہی ہے۔ انگریزوں کے برصغیر پر قابض ہونے کے بعد اس خطے میں عیسائی مشنریاں آئیں اور عیسائی پادریوں نے عیسائیت کی تبلیغ کرنا شروع کی اور دوسرے مذاہب کی تردید میں سرگرمی دکھائی تو ان سے مناظروں اور مباحثوں کا ایک دور اپنی تمام تر حشر سامانیوں سے شروع ہوا، اور بڑے بڑے مذہبی محر کے رونما ہوئے۔ انیسویں صدی عیسوی اور بیسویں صدی کا نصف اول مناظروں اور مباحثوں کے اعتبار سے بڑا گہما گہما کا دور دکھائی دیتا ہے۔ ایک طرف اسلام کے خلاف عیسائی پادری صف آراء دکھائی دیتے ہیں تو دوسری طرف ہندو، آریہ سماجی اور سنائن دھرمی اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف زبان طعن دراز کرتے نظر آتے ہیں۔

ایسے میں وہ مبلغین اسلام ہی تھے جو ٹھونک کر سامنے آئے اور انھوں نے مناظروں اور مباحثوں سے ان اسلام دشمن عناصر کا منہ بند کیا اور ان کی دشنام طرازیوں کی قلعی کھولتے ہوئے لوگوں کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر پیش کی۔ اس کے بہت اچھے اثرات ظاہر ہوئے اور

لوگ اپنے آبائی مذاہب کو چھوڑ کر قافلہ در قافلہ اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ میرے سامنے اس وقت ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ ہندوؤں اور عیسائیوں نے نہایت ٹیڑھے اور اشتعال انگیز سوالات سے مسلمانوں کے جذبات کو انگیزت کرنا چاہا لیکن ان علمائے ذی مرتبت نے ذہانت و فطانت اور تجربہ علمی کی وجہ سے کمال عقلمندی سے ایسے برجستہ جواب دیے کہ اسلام کے مخالفین کو چپ کرادیا۔

○ مولانا عبداللہ گورداس پوری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار دو ہندو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے: شاہ جی! مسئلہ پوچھنا ہے کہ کتنا ہندو ہے یا مسلمان؟ شاہ جی مسئلہ کی نوعیت کو فوراً سمجھ گئے، فرمانے لگے: لالہ جی ابھی بتا دیتے ہیں۔ مدرسے سے باہر آ کر شاہ جی نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو چند کتے نظر آئے۔ وہاں جا کر ان کے آگے روٹیاں ڈال دیں۔ اب کیا ہوا، ایک کتے نے روٹی اٹھائی اور ایک طرف کو بھاگ گیا، دوسرے کے حصے آدھی روٹی آئی وہ اسے لے کر دوسری طرف دوڑ گیا، کسی کے حصے کچھ بھی نہیں آیا وہ دوسرے کتے سے لڑائی کر رہا ہے۔ شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے ان ہندوؤں کو یہ منظر دکھایا اور فرمانے لگے لالہ جی! کتے اگر مسلمان ہوتے تو مل بیٹھ کر کھاتے مجھے تو یہ ہندو معلوم ہوتے ہیں جو علیحدہ علیحدہ کھانے کے عادی ہیں۔ یہ جواب سن کر ہندو بڑے شرمندہ ہوئے۔

○ امام المناظرین شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی حاضر جوابی اور برجستہ گوئی مشہور ہے۔ ایک بار ایک عیسائی مناظر نے دوران مناظرہ ان سے کہا: اگر تمہارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کربلا میں اتنے ہی مقبول و محبوب تھے تو اپنے لخت جگر حسین علیہ السلام کو کربلا میں شہید ہوتے دیکھ کر کیوں خدا سے سفارش نہ کی اور کیوں نہ انھیں بچایا؟ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی متانت سے فرمایا: بھائی کہا تو تھا، مگر اللہ میاں نے جواب دیا کہ میرے حبیب میں کیا کروں، میں تو خود اس فکر میں ہوں کہ ظالم عیسائیوں نے میرے اکلوتے بیٹے مسیح

کو صلیب پر لٹکا دیا اور میں کچھ نہ کر سکا، حسین تو پھر تیرا نواسہ ہے۔ (سیرت ثانی، ص: ۱۵۹)

○ ۱۹۲۵ء کی بات ہے کہ دہلی میں جماعت غرباء اہل حدیث کی سالانہ کانفرنس کمپنی باغ دہلی میں ہوئی اس موقع پر سلطان المناظرین حافظ عبدالقادر روپڑی رحمۃ اللہ علیہ کا ہندوؤں کے ساتھ ایک دلچسپ مناظرہ ہوا۔ ہندو مناظر حافظ صاحب سے کہنے لگا قرآن سے ثابت کرو اللہ ہندو ہے یا مسلمان؟ حافظ صاحب نے سورہ بقرہ کی وہ آیات تلاوت کیں جن میں گائے ذبح کرنے کا واقعہ ہے اور فرمانے لگے: پنڈت جی اگر اللہ ہندو ہوتا تو گائے ذبح کرنے کا حکم کبھی نہ دیتا۔ حافظ صاحب کی حاضر جوابی سے ہندو مناظر لا جواب ہو گیا اور مسلمان یہ مناظرہ جیت گئے۔

(ماہنامہ صراطِ مستقیم کراچی، ستمبر ۱۹۹۴ء)

یہ تھا تقسیم سے پہلے عیسائیوں اور ہندوؤں کا اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں گفتگو کرنے کا طریقہ۔ بلاشبہ جماعت اہل حدیث میں شاہ عبدالعزیز دہلوی، مولانا محمد حسین بٹالوی، شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا محمد ابراہیم میرسیا لکھنؤی، مولانا محمد جونا گڑھی، امام عبدالستار دہلوی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارس، مولانا احمد دین لکھنوی اور حافظ عبدالقادر روپڑی رحمۃ اللہ علیہ جیسے ذی علم، حاضر جواب اور برجستہ گو مناظر پیدا ہوئے اور انھوں نے اسلام کے لیے بے پناہ خدمات سر انجام دیں۔

اسے ایک المیہ کہیے کہ اس خطے میں ایک طرف ہندو، عیسائی اور آریہ سماجی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زبان طعن سے حملہ آور ہو رہے تھے جب کہ دوسری طرف مسلمانوں میں ہی ایسا گروہ تھا جن میں بعض غیر اسلامی چیزیں گھس آئی تھیں اور وہ لوگ اسلامی تعلیم سے ہٹے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ الحمد للہ علمائے اہل حدیث نے جہاں غیر مسلموں سے مناظرے کیے وہیں انھوں نے اسلامی تعلیم سے ہٹے ہوئے گروہوں کی بھی اصلاح کی اور تقلید شخصی کے بھنور میں الجھے ہوئے لوگوں کو ”صراطِ مستقیم“ دکھائی۔ نومبر ۲۰۰۷ء میں ادارہ کتاب

گفتگو کی اور مخالف مناظر مولوی گل محمد موچی اور مولوی فتح محمد بوڑ دار کو آڑھے ہاتھوں لیا اور وہ شاہ صاحب کے دلائل کے آگے زیادہ دیر گفتگو نہ کر سکے اور چلے گئے۔ اس مناظرے کی واقعاتی رپورٹ وہاں کی جماعت نے ”فتح الاسلام“ کے نام سے شائع کی تھی۔ (رموزِ راشدیہ، ص: ۲۸)

⑤ ایک بار شاہ صاحب تبلیغی جلسے میں شرکت کے لیے شہزاد کوٹ ضلع لاڑکانہ گئے۔ آپ نے تقریر میں مسئلہ توسل کی تردید کی۔ جسے سن کر وہاں کی ایک مشہور درس گاہ کے ایک مدرس نے شاہ صاحب کو مناظرے کا چیلنج کر دیا جسے شاہ صاحب نے قبول کر لیا۔ چنانچہ شہر کے پولیس اسٹیشن کی مسجد میں مناظرہ ہوا۔ ہر مناظرے کے لیے پانچ پانچ منٹ کی تقریر کا وقت طے ہوا۔ مخالف مولوی صاحب نے ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ [المائدة: ۳۵] والی آیت پڑھی۔ اس پر آپ نے کہا کہ یہاں وسیلہ کے معنی نزدیکی ہے۔ توسل الیہ، تقرب الیہ یہ تو خود نزدیک ہونے کا حکم ہے نہ کہ کسی نزدیک شخصیت کا وسیلہ لینے کا، بلکہ خود قریب ہونے کا حکم اس حکم کو رد کرتا ہے کہ دوسرے کو وسیلہ بنایا جائے۔ پھر شاہ صاحب فرمانے لگے مولوی صاحب آپ کوئی ایسی دلیل پیش کریں جس میں شخصی وسیلے کا ذکر ہو۔ حاضرین نے بھی کہا کہ دلیل ایسی ہی ہونی چاہیے۔ اب مولوی صاحب نے ادھر ادھر سے بڑی کوشش کی لیکن وہ شخصی وسیلہ پر کوئی دلیل نہ دے سکے اور ان کے منہ سے نکل گیا کہ پھر اس طرح شخصی وسیلہ کے بارے میں کوئی دلیل نہیں ہے اور خاموش ہو گئے اور شاہ صاحب کامیاب ہوئے۔

(تذکرہ علمائے اہل حدیث: ۱۸۳/۲)

⑥ دریا خاں مری ضلع نواب شاہ میں واقع مدرسہ انوار الرحمان کے صدر مدرس مولوی عبدالرحمان صاحب سے شاہ صاحب کا تقلید شخصی کے موضوع پر مناظرہ ہوا۔ شاہ صاحب نے قرآن و حدیث اور فقہی کتب سے تقلید کا رد کیا اور فقہی کتب سے ایسے دلائل پیش کیے کہ مخالف کو خاموش کر دیا۔

سرائے اردو بازار لاہور کی طرف سے ہندوستانی عالم مولانا محمد مقتدی اثری عمری رحمۃ اللہ علیہ (استاد جامعہ اثریہ دارالحدیث، منو) کی نہایت عمدہ اور قابل تحسین کاوش ”تذکرۃ المناظرین“ شائع ہوئی ہے۔ ساڑھے تیرہ سو صفحات پر پھیلی اس کتاب میں ۱۸۳۵ء سے ۲۰۰۱ء تک کے مناظروں کی روداد کو ضبط تحریر میں لایا گیا ہے۔

یہ مناظرے علمائے اہل حدیث نے مختلف مذاہب اور فرقوں کے اصحاب علم سے کیے تھے۔ بلاشبہ یہ بہت بڑی خدمت ہے۔ افسوس کہ اس کتاب میں شاہ صاحب کے ایک بھی مناظرے کا ذکر نہیں ہے حالانکہ ہمارے شاہ بدیع الدین راشدی صاحب بھی اسی گروہ باصفا کے معزز رکن تھے۔ انھوں نے علاقہ سندھ میں توحید، اتباع سنت اور اسلام کے فروغ میں تقلید شخصی اور غیر شرعی رسوم کے خلاف بڑے مناظرے اور مباحثے کیے۔ اس سے مسلک اہل حدیث کو سندھ میں بڑا فروغ ملا اور جماعت کی نیک نامی ہوئی۔

حضرت شاہ صاحب زمانہ طالب علمی سے ہی نہایت ذکی و فطین اور حاضر جواب تھے۔ بحث و مباحثہ میں خاص دلچسپی رکھتے اور اکثر اپنے اساتذہ کرام بالخصوص مولوی محمد خلیل صاحب سے اختلافی مسائل پر مباحث کا سلسلہ چلتا رہتا تھا۔ ۲۰، ۲۱ سال کی عمر میں وہ ایک پختہ عالم اور مناظر کے روپ میں ابھر کر سامنے آ گئے تھے۔ ان میں مناظرہ کرنے کی تمام خوبیاں اور اوصاف پائے جاتے تھے۔ وہ متحضر فی العلوم تھے، مسائل میں کامل درس رکھتے تھے، وسیع المطالعہ تھے، حدیث اور اسماء الرجال کے فن سے پوری طرح آگاہ تھے، حاضر جوابی اور ذہانت کی دولت سے بھی مالا مال تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی تمام خداداد صلاحیتوں کو اعلائے کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لیے صرف کیا اور تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ میدانِ مناظرہ میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

⑦ شاہ صاحب کا پہلا مناظرہ شہر گھیر و ضلع ساگھڑ میں ہوا تھا۔ اس میں چار موضوع رکھے گئے تھے، میلاد (عرس)، گیارھویں، نذر وغیر اللہ، کراماتِ اولیاء۔ شاہ صاحب نے ان موضوعات پر خوب

○ ضلع وہاڑی (پنجاب) میں ایک بار شاہ صاحب تشریف لائے تو فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر ان کا مناظرہ ہوا۔ شاہ صاحب نے فاتحہ خلف الامام کے بارے صحیح احادیث پیش کیں، مخالف مناظر اپنی تمام تر چالاکی کے باوجود ان کا جواب نہ دے سکا اور شاہ صاحب اس مناظرے میں بھی سرخرو ہوئے۔

○ ۱۹۶۲ء کے لگ بھگ کی بات ہے شاہ صاحب مدینہ طیبہ میں تھے۔ شیخ محمد سالم عطیہ جو اس وقت جامعہ اسلامیہ میں مدرس تھے انھوں نے شاہ صاحب اور جامعہ اشرفیہ لاہور کے مدرس مولانا خالد محمود صاحب کو اپنے گھر دعوت دے کر بلایا اور ان سے مطالبہ کیا کہ یہ آپس میں ”قراءت فاتحہ خلف الامام“ پر مناظرہ کریں۔ خود شیخ سالم کاغذ اور قلم لے کر درمیان میں بیٹھ گئے اور دونوں مناظرین کی باتیں نوٹ کرتے رہے۔ شہید ملت علامہ احسان الہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۰ مارچ ۱۹۸۷ء) بھی اس موقع پر موجود تھے جو ان دنوں جامعہ اسلامیہ میں پڑھتے تھے۔ اس مجلس میں شاہ صاحب نے نہایت محققانہ طریقے سے فاتحہ خلف الامام کے حق میں بڑی مدلل گفتگو فرمائی اور خالد محمود صاحب کے تمام اعتراضات اور پیدا کردہ اشکالات کے علمی جواب دیے۔ شاہ صاحب کے دلائل سے زچ ہو کر مولوی صاحب کہنے لگے: ”اب میں ان باتوں کی تحقیق کروں گا۔“

شاہ صاحب نے کئی کامیاب تقریری و تحریری مناظرے کیے۔ ان کی تفصیلات جاننے کے لیے شاہ صاحب کے انٹرویو پر مشتمل کتاب رموزِ راشدیہ اور میاں محمد یوسف سجاد کی ”تذکرہ علمائے اہل حدیث، جلد دوم“ دیکھی جاسکتی ہے۔

شاہ صاحب کی تصنیفی خدمات:

اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحب کو درس و تدریس، وعظ و تقریر، تصنیف و تالیف کی صلاحیتوں سے بہرہ مند فرمایا تھا۔ آپ نے عربی، اردو اور سندھی تینوں زبانوں میں نہایت عمدہ اور تحقیقی کتب تصنیف کیں۔ قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ سے بھی انھیں گہرا شغف تھا۔ آپ

نے تفسیر قرآن کے حوالے سے ”بدیع التفاسیر“ کے نام سے بڑی شان دار اور عالمانہ تفسیر مرتب کی۔ شاہ صاحب کی تصانیف کی تعداد ڈیڑھ سو سے متجاوز ہے۔ چند معروف کتابوں کا تعارف پیش خدمت ہے۔ سب سے پہلے تفسیر قرآن سے متعلق کتب ملاحظہ فرمائیں۔

بدیع التفاسیر:..... شاہ صاحب کی یہ تفسیر دس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور اس میں قرآن مجید کے تیرہ پارے سمائے ہوئے ہیں۔ پہلی جلد ۴۹۴ صفحات پر مشتمل ہے اور یہ سورہ فاتحہ کی مکمل اور مدلل جامع تفسیر ہے۔ سورہ بقرہ کی تفسیر تین جلدوں میں ہے۔ جب کہ پانچویں جلد تفسیر سورہ آل عمران کا احاطہ کیے ہوئے۔ جلد نمبر ۶ میں سورہ نساء، جلد نمبر ۷، ۸ میں سورہ مائدہ، سورہ انعام، جلد نمبر ۹ اور ۱۰ میں سورہ انفال، سورہ براءت، سورہ یونس، سورہ ہود، سورہ یوسف، سورہ زمر، سورہ ابراہیم اور سورہ حجر کی تفسیر کی گئی ہے۔

شاہ صاحب نے اس تفسیر میں قرآنی آیات کی تفسیر کرتے وقت تفسیری اصول و قواعد کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہے اور قرآن کی تفسیر قرآن سے، احادیث نبویہ اور آثار صحابہ کی روشنی میں کی ہے۔ سورتوں کے نزول کا زمانہ، اس دور سے اس کا تعلق، ان سورتوں میں بیان شدہ احکام و مسائل پر پوری تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ گمراہ فرقوں اور ادیان باطلہ کے اعتراضات کے نہایت شافی جوابات دیے گئے ہیں۔

شاہ صاحب کی یہ تفسیر اپنے دامن میں ندرت کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ اس میں شاہ صاحب نے بڑی عمدگی سے علمی نکات بیان کیے ہیں۔ اس تفسیر کے علمی و ادبی محاسن بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب نے اپنے ایک انٹرویو میں فرمایا تھا:

”تفسیر کا کام جتنا ضروری اور اہم ہے اتنا ہی مشکل بھی ہے۔

عام کتاب نہیں ہے اس کے لیے ہمیں بڑی محنت کرنا پڑتی

ہے۔ بعض اوقات ایک ایک آیت پر ایک ایک ہفتہ لگ جاتا

ہے تاکہ تشفی ہو جائے۔“

اسی انٹرویو میں شاہ صاحب فرماتے ہیں:

”بعض تفاسیر میں کافی طوالت ہے۔ واقعات سے ادھر

بہت بڑی خدمت اور سعادت ہے جو ان کے حصے میں آئی۔ حدیث رسول ﷺ کی نصرت و تائید میں شاہ صاحب نے مندرجہ ذیل کتب کی تدوین، تالیف اور تحقیق کا فریضہ سرانجام دیا:

۱: تحفۃ الاحباب فی تخریج احادیث قول الترمذی و فی الباب۔ (غیر مطبوع)

۲: الاجابة مع الاصابة فی ترتیب احادیث البیہقی علی مسانید الصحابة۔ (غیر مطبوع)

۳: السمط الابریز حاشیہ مسند عمر بن عبدالعزیز۔ (مطبوع)

۴: المرأة لطرق حدیث من کان له امام فقراة الامام له قراءة۔ (غیر مطبوع)

۵: حاشیہ انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری۔ (غیر مطبوع)

۶: ازہار الحمد ائقی فی تذکار من جمع احادیث خیر الخلائق۔ (غیر مطبوع)

۷: فہرستہ احادیث تاریخ مدینۃ السلام علی تبویب المسائل و ترتیب الاحکام۔ (غیر مطبوع)

۸: الامام تبویب احادیث الخطیب علی الاحکام۔ (مطبوع)

۹: توفیق الباری فی ترتیب جزء رفع الیدین للبخاری۔ (غیر مطبوع)

۱۰: التعليقات الراشدیہ علی شرح اربعین النوویہ للشیخ محمد حیات السندی۔ (غیر مطبوع)

۱۱: التعليق المنصور علی فتح الغفور فی وضع الایدی علی الصدور۔ (غیر مطبوع)

۱۲: البرق السماوی علی السارق الدنیوی۔ (غیر مطبوع)

۱۳: الأربعین۔ (غیر مطبوع)

۱۴: صریح المہمد فی وصل تعلیقات موطا الامام محمد۔ (غیر مطبوع)

۱۵: انماء الزکون فی تنقید انباء السکن المعروف ”نقض قواعد فی علوم الحدیث“۔ (مطبوع)

۱۶: التکمیل لتذیل القندیل۔ (غیر مطبوع)

۱۷: غایۃ المرام فی تخریج جزء القراءة خلف الامام للبخاری۔ (غیر مطبوع)

اُدھر سے (تفسیر) کی گئی ہے یا تصوف کی باتیں کی گئی ہیں۔ ہم نے تفسیر کو اس سے پاک رکھا ہے۔ قرآن کو قرآن سمجھ کر تفسیر لکھی ہے کوئی ناول سمجھ کر نہیں۔“

شاہ صاحب نے تفسیر لکھتے وقت کن مقاصد کو پیش نظر رکھا اور آپ کی تفسیر دیگر تفاسیر سے کس طرح منفرد ہے، اس کے متعلق شاہ صاحب فرماتے ہیں:

”ہم اسے مسلکی طرز پر لکھ رہے ہیں اس میں سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ ہم نے ضعیف روایات سے اسے بچایا ہے۔ ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ہم سے غلطی نہیں ہو سکتی۔ لیکن ہم نے حتی الامکان اس تفسیر کو ضعیف روایات سے بچایا ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ قرآن پر اور قرآن کی مختلف آیتوں پر جو اعتراضات ہوتے رہے ہیں، ہم اس کا جواب دیتے جا رہے ہیں۔ مثال کے طور پر تال پر کاش نے اپنی کتاب میں قرآن پر اعتراض کیا ہے اس کا جواب ہم ہر جگہ دے رہے ہیں۔ اسی طرح عیسائیوں کے اعتراضات کے جواب بھی۔ ترجمے میں عام فہم الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ تفسیر میں جہاں واقعات کی ضرورت پڑتی ہے وہاں صحیح احادیث سے ثابت واقعات کو لے کر درج کرتے ہیں۔“

(ماہنامہ صراطِ مستقیم کراچی، جولائی ۱۹۹۴ء)

افسوس کہ شاہ صاحب چودھویں پارے کے ابتدائی حصے کی تفسیر لکھ رہے تھے کہ وقت اجل آپہنچا۔ انھوں نے یہ تفسیر سندھی زبان میں لکھی تھی جو طبع ہوئی۔ اس کا اردو ترجمہ بھی ہو رہا ہے اور یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ اردو داں طبقہ بھی شاہ صاحب کی اس علمی تفسیر سے مستفید ہوگا۔

خدماتِ حدیث:

حضرت شاہ صاحب نبی ﷺ کی سنت اور فرامین سے حد درجہ تعلق رکھتے تھے۔ بلکہ آپ نے تمام عمر خدمتِ قرآن اور خدمتِ حدیث رسول ﷺ میں بسر کر دی اور ہمیشہ حدیث رسول ﷺ کا پرچار کیا۔ یہ

۱۳: رفع الاختلاف في مسائل الخلاف - ۱۴: شرعی طلاق۔

۱۵: امام صحیح عقیدہ ہونا چاہیے۔

۱۶: مسلک اہل حدیث اور تقلید۔

۱۷: الہی عتاب برسیاہ خضاب - ۱۸: توازع عملی یا حیلہ جدلی۔

۱۹: فتاویٰ البدیعیہ: یہ کتاب شاہ صاحب کے عربی، اردو اور سندھی فتاویٰ پر مشتمل ہے۔

شاہ صاحب کی عربی، اردو تصانیف کا یہ اجمالی سا تذکرہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب نے سندھی زبان میں بھی بہت سی کتابیں لکھیں اور اس کے علاوہ انھوں نے سیکڑوں مضامین حوالہ قرطاس کیے جو مختلف رسائل و اخبارات میں اشاعت پذیر ہوئے جو اُن کی زوونویسی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

شاہ صاحب کا کتب خانہ:

راشدی خاندان کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ان کی کتاب دوستی ہے۔ اس خاندان میں کتابیں جمع کرنے کی ابتدا سید محمد بقاشاہ لکھنوی رحمہ اللہ سے ہوئی جو راشد خاندان کے مؤسس اعلیٰ سید محمد راشد شاہ کے والد گرامی تھے۔ موصوف نے مختلف جگہوں سے نادر و نایاب مخطوطات کو حاصل کر کے انھیں اپنے کتب خانے کی زینت بنایا۔ انھیں کتابیں جمع کرنے کا از حد شوق تھا اور اسی شوق کی تکمیل کے لیے وہ آئے دن مختلف مقامات کا دورہ کیا کرتے تھے۔

ان کے متعلق واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ چند کتابیں باندھ کر کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ڈاکوؤں نے کتابوں کے اس گٹھے کو مال سمجھ کر لوٹ لیا اور آپ کو بڑی سفاکی سے شہید کر دیا۔ سید بقاشاہ کی وفات کے بعد ان کی کتابیں ان کے بیٹے سید محمد راشد شاہ کی تحویل میں آگئیں اور انھوں نے ان کتابوں کی حفاظت بڑی ذمہ داری سے کی۔ سید راشد شاہ کے بعد یہ کتابیں دو حصوں میں منقسم ہوئیں۔ ایک حصہ پیر پگڑاؤں سید صبغت اللہ شاہ راشدی کے حصے آیا۔ جب کہ دوسرا حصہ پیر جھنڈہ اول سید محمد یاسین شاہ کی تحویل میں آ گیا۔ ان سے یہ کتابیں نسل در نسل منتقل ہوتی ہوئی سید ابوتراب رشید اللہ شاہ راشدی

(مطبوع)

۱۸: القندیل المشعول في تحقيق حديث اقلوا الفاعل والمفعول۔ (غیر

(مطبوع)

۱۹: زجاجة القندیل۔ (غیر مطبوع)

۲۰: تحقیق الدعاء برفع الیدین وما قبل فی اسلام الابوین۔ (غیر مطبوع)

۲۱: جلاء العینین مخترج روایات البخاری فی جزء رفع الیدین۔ (مطبوع)

۲۲: جز منظوم فی اسماء المدلسین۔ (مطبوع)

۲۳: القول اللطیف فی الاحتجاج بالحدیث الضعیف۔ (غیر مطبوع)

۲۴: التجویب لتعقیب التہذیب۔ (غیر مطبوع)

۲۵: تہذیب الاقوال فیمن لہ ترجمۃ فی المرأة من الرجال۔ (غیر مطبوع)

۲۶: المعقبات المرضیة للتعقیبات الغیر المرضیة۔ (غیر مطبوع)

۲۷: شیوخ الامام اللمہتی۔ (غیر مطبوع)

۲۸: رفع الارتياب عن حکم الاصحاب۔ (غیر مطبوع)

اردو تصانیف:

۱: توحید خالص: یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے اس میں مسئلہ توحید کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

۲: تنقید سدید بر رسالہ اجتہاد و تقلید۔

۳: القنوط والیاس لابل الارسال۔

۴: زیادة الخشوع بوضع الیدین علی الشمال بعد الركوع۔

۵: الاعلام بجواب رفع الایہام۔

۶: الدلیل التام۔

۷: السکات الجزوع فی جواب ما بعد الركوع۔

۸: اتباع سنت۔ ۹: حدیث وفقہ۔

۱۰: نشاط العبد بحجر بنا و لک الحمد۔ ۱۱: تاریخ اہل حدیث۔

۱۲: الضرب الشدید فی جواب القول السدید۔

بغداد جو ابھی چھپی ہی نہیں تھی، آپ نے ۱۹۲۸ء میں دارالکتب المصریہ قاہرہ سے ۱۶، ۱۵ سورہ پے خرچ کر کے اس کی نقل حاصل کی۔ امام ابو نعیم اصفہانی کی تاریخ اصفہان کا فوٹو اسٹیٹ انڈیا آفس لاہور بری لندن سے معروف مستشرق ڈاکٹر کرکوک کی معرفت حاصل کیا۔ بلاشبہ احسان اللہ شاہ راشدی نے اپنی ذاتی کوششوں اور کتاب دوستی سے اپنے کتب خانہ کو مثالی بنادیا تھا۔

(ماخوذ از مجلہ بحر العلوم شیخ العرب والعجم نمبر)

پیر سید احسان اللہ شاہ نے بڑی مختصر عمر پائی اور وہ ۴۵ سال کی عمر پر ۱۹۳۸ء میں فوت ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد ان کا کتب خانہ ایک بار پھر دو حصوں میں تقسیم ہوا۔ ایک حصہ ان کے فرزند عالی قدر علامہ محبت اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ کے حصے آیا اور دوسرا حصہ پیر سید بدیع الدین شاہ راشدی صاحب کو ملا۔ سید بدیع الدین شاہ صاحب کے بارے کہا جاتا ہے کہ ان کو جو کتب وراثت ملی تھیں وہ ایک الماری یا اس سے تھوڑی زیادہ تھیں۔ لیکن شاہ صاحب نے اپنے ذوق علمی سے اسے وسعت دی اور جوں جوں ان کا مطالعہ بڑھتا گیا ان کے کتب خانہ میں بھی وسعت آتی گئی۔

شاہ صاحب نے جب شعور کی آنکھ کھولی تو خود کو علم و فضل کی گود میں پایا۔ ان کا اوڑھنا بچھونا کتابیں تھیں۔ وہ کتاب دوست تھے، کتاب دوستوں اور کتاب فروشوں سے ہمیشہ رابطہ رکھتے۔ مولانا عطاء اللہ حنیف جھو جیانی رحمہ اللہ کو بھی کتابوں سے بڑا گہرا تعلق تھا۔ شاہ صاحب کی ان سے پہلی ملاقات قیام پاکستان سے پہلے ملتان میں فاروقی کتب خانہ پر ہوئی تھی۔ اس وقت مولانا عبدالتواب زندہ تھے۔ شاہ صاحب کے اس ملاقات کے بعد عمر بھر مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب سے دوستانہ مراسم رہے۔ جب بھی لاہور آتے تو مولانا سے ضرور ملتے اور ان کے کتب خانہ سے مستفید ہونے کی کوشش کرتے۔ اپنے کتابی ذوق کی تسکین کے لیے دور دراز علاقوں میں جاتے اور جہاں سے کوئی نادر کتاب ملتی فوراً خرید لیتے۔ سال میں دو بار ملتان ضرور جاتے اور فاروقی کتب خانہ سے کتابیں خریدتے۔

کے پاس آگئیں۔ سید رشد اللہ شاہ کا دور کتب خانہ کے لیے بڑا سنہرا دور ثابت ہوا۔ انھوں نے کتب خانہ کی توسیع میں گہری دلچسپی لیتے ہوئے نہایت علمی کتابیں جمع کیں۔ مختلف ممالک سے نادر کتابیں خریدیں جن کتابوں کا حصول ممکن نہ تھا انھیں بھی اپنے کتب بھیج کر نقل کروا لیتے۔ ۱۳۳۳ھ میں جب آپ حج بیت اللہ کے لیے گئے تو وہاں بھی اپنے کتابی ذوق کو ملحوظ رکھا اور کئی قلمی کتابیں خرید کر لائے۔

ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے سید احسان اللہ شاہ راشدی نے خاندانی مسند پر متمکن ہو کر اپنے علمی ورثے کی پوری طرح حفاظت کی۔ پیر سید احسان اللہ شاہ اپنے دور کے جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ پیکر اصلاح و تقویٰ بزرگ بھی تھے۔ اور بہ غایت درجہ متبع سنت تھے۔ سنت سے بے پناہ شغف اور انتہائی اتباع کی وجہ سے لوگوں میں آپ ”پیر سائیں سنت والے“ کے نام سے معروف تھے۔ آپ بھی اپنے اکابرین کی طرح کتابوں کے بڑے شائق تھے۔ نادر قلمی کتابوں کے حصول میں ہر دم کوشاں رہتے۔ ملک اور بیرون ملک کے اہل علم سے کتابوں کے سلسلے میں خط کتابت رہتی تھی۔ علم حدیث اور دیگر علوم سے اتنا گہرا لگاؤ تھا کہ کئی ممالک، مثلاً: شام، مصر، مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ اور ہندوستان کے کئی شہروں سے، زیرِ کثیر خرچ کر کے نایاب کتابیں نقل کروائیں۔ اپنے خاص کاتب قاضی لعل محمد اور مولانا قطب الدین ہالچوی کو حیدر آباد دکن بھیج کر نواب عثمان علی خان کے کتب خانہ سے کئی کتابیں نقل کروائیں۔

سید احسان اللہ شاہ صاحب کے کتب خانہ میں قلمی مخطوطے اچھی خاصی تعداد میں تھے اور اس اعتبار سے ان کے کتب خانہ کو عالم دنیا میں بڑی وقعت حاصل تھی۔ دائرۃ المعارف العثمانیہ دکن والوں نے جب پہلی مرتبہ السنن الکبریٰ للبیہقی اور مستدرک حاکم طبع کروائیں تو اس وقت ان کے پیش نظر جو قلمی نسخے تھے، ان میں سے ایک نسخہ پیر احسان اللہ شاہ راشدی کے مکتبے کا تھا۔ جیسا کہ انھوں نے دونوں مطبوعہ کتابوں میں ان قلمی نسخوں کے ذکر میں صراحت سے تحریر کیا ہے۔

آپ کے علمی ذوق کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ تاریخ

اپریل ۱۹۹۹ء کے ابتدائی ایام میں مولانا شمشاد احمد خاں کی لائبریری دیکھنے کا موقع ملا۔ انھوں نے مسجد میں ایک بڑی شاندار لائبریری قائم کر رکھی تھی اور اس میں بڑی عمدہ تحقیقی اور اصلاحی کتب رکھی گئی تھیں جنہیں دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی۔ مولانا شمشاد اس وقت فاضل پور میں جماعت غربائے اہل حدیث کے امیر تھے اور وہاں کی جامع مسجد اہل حدیث کے منتظم بھی تھے۔ وہ فرمانے لگے ایک بار اس مسجد میں پیر سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ انھوں نے ہماری لائبریری دیکھی اور بڑے خوش ہوئے۔ لائبریری میں موجود بعض کتابیں انھیں بڑی پسند آئیں۔ ہم نے شاہ صاحب کے شوق کو دیکھتے ہوئے وہ کتب تحفۃ اہل کی خدمت میں پیش کر دیں جنہیں شاہ صاحب نے شکرِ یے کے ساتھ قبول کر لیا اور ہمیں بڑی دعائیں دیں۔

شاہ صاحب کا کتب خانہ لگ بھگ ۱۶ ہزار کتابوں پر مشتمل ہوگا۔ اس میں حدیث، تفسیر، فقہ، رجال، فلسفہ، تاریخ، اصول، ادبیات اور دیگر اسلامی علوم و فنون کی کتب کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ اس کے علاوہ نادر، کم یاب اور نایاب کتب کے قلمی مخطوطے اس کتب خانے کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔

محاسن:

شاہ صاحب میں اللہ رب العزت نے بہت سی خوبیاں جمع کر دی تھیں اور انھیں بہت سے انعامات سے نوازا تھا۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ انھوں نے ۱۹۴۸ء میں قرآن مجید صرف تین ماہ میں یاد کر لیا تھا جو ان کی ذہانت اور قوتِ حفظ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ شاہ صاحب کو کتب احادیث اور کتب فقہ کی عبارتوں کی عبارتیں یاد تھیں۔ انھوں نے جو کچھ پڑھا ان کے حافظے میں محفوظ ہو گیا۔

شاہ صاحب نہایت سادہ طبیعت، خوش وضع، منکسر المزاج، حلیم الطبع، مہمان نواز اور صابر و شاکر انسان تھے۔ زندگی بھر توحید و سنت پر عمل پیرا رہے اور دوسروں کو بھی یہی درس دیا۔ طلباء کے ساتھ بڑی

شفقت فرماتے جو بھی ان سے پڑھنے آیا یا مراد لوٹا۔ مہمان نواز تھے تکلف سے کام نہ لیتے۔

شاہ صاحب بڑے ذی علم اور نکتہ داں تھے اور بڑی عمدگی سے مسئلے کی وضاحت کر دیتے تھے۔ ایک بار کسی نے شاہ صاحب سے سوال کیا کہ فرض نماز کے بعد سنتوں اور نوافل کی کیا حیثیت ہے؟ شاہ صاحب فرمانے لگے: فرضوں کی گردش و نوافل کی حیثیت ایک ”باز“ کی سی ہے اور شیطان سب سے پہلے نوافل چھڑواتا ہے، پھر سنت کا تارک بناتا ہے، بعد میں انسان کو فرضوں میں بھی سست کرنے کی کوشش کرتا ہے۔“ کس قدر شان دار اور عالمانہ جواب ہے آج جو لوگ سنت و نوافل سے غفلت کرتے ہیں ان کو غور کرنا چاہیے۔

شاہ صاحب کی شخصیت جماعت اہل حدیث میں غیر متنازعہ اور انتہائی قدر و منزلت کی حامل تھی۔ ۱۹۷۰ء کے آس پاس کی بات ہے کہ جماعت اہل حدیث دو دھڑوں میں بٹ گئی۔ ایسے میں مولانا محمد اسحاق جیمہ، مولانا عبداللہ شیخ الحدیث گوجرانوالا، مولانا عبداللہ شیخ الحدیث فیصل آبادی اور مولانا ارشاد الحق اثری صاحب وفد کی صورت میں شاہ صاحب کے ہاں حیدر آباد گئے اور انھیں جماعت کا امیر بننے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ کافی بحث اور تکرار کے بعد آخر شاہ صاحب مان گئے اور انھیں گوجرانوالہ میں منعقدہ اجلاس میں جماعت کا امیر بنا دیا گیا۔ شاہ صاحب نے منصب امارت پر فائز ہو کر مرکز کی جمعیت اہل حدیث کی طرف سے جماعت کی ترقی اور صلح کے لیے بڑی کوششیں کیں، اور جب جماعت کے دونوں دھڑوں میں صلح ہو گئی تو آپ مستعفی ہو گئے۔

۱۹۵۷ء میں شاہ صاحب نے جماعت اہل حدیث حیدر آباد سندھ کی بنیاد رکھی تھی اور رفقاء نے باہمی مشورے سے آپ کو اس کا امیر منتخب کیا تھا۔ ۱۹۸۸ء میں آپ نے اسے وسعت دے کر سندھ کے ہر ضلع میں امیر اور ناظم مقرر کیے اور مولانا عبداللہ ناصر رحمانی صاحب کو جمعیت اہل حدیث سندھ کا ناظم مقرر کیا۔ اس طرح شاہ صاحب نے صوبہ سندھ میں اپنی جماعت کا ایک بہترین نیٹ ورک

پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ جب شاہ صاحب کو دفن کیا جا رہا تھا تو اس وقت جماعت غرباء اہل حدیث کے امیر مولانا حافظ عبدالرحمان سلفی صاحب نے ان کے علم و فضل اور گونا گوں اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ آج ہم فقط سید بدیع الدین شاہ صاحب کو نہیں بلکہ علم کے سمندر کو دفن کر رہے ہیں۔ اہل توحید کے لیے شاہ صاحب کی ذات مرجع خلافت تھی۔ ان کے تحقیقی جواب پر دلی اطمینان ہوتا تھا۔

اولاد:

حضرت شاہ صاحب کو اللہ رب العزت نے چار بیٹے اور تین بیٹیاں عطا فرمائیں۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں:

سید محمد شاہ، نور اللہ شاہ، رشد اللہ شاہ، ابراہیم خلیل اللہ شاہ۔

شاہ صاحب کو ہم سے پچھڑے تقریباً ۷۱ سال کا عرصہ بیت چکا ہے لیکن وہ اپنی گونا گوں صفات اور خدمات کی وجہ سے آج بھی زندہ و جاوید ہیں اور جب تلک یہ دنیا آباد ہے ان کی حسنت کا تذکرہ ہوتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ شاہ صاحب کو جنت الفردوس میں بلند سے بلند مقام عطا فرمائے، آمین۔

قائم کیا۔ انھیں بہت اچھے رفقاء اور مخلص ترین ساتھی ملے۔ انھوں نے اپنی شب و روز کی مساعی سے صوبہ سندھ میں جماعت اہل حدیث کی تعمیر و ترقی میں بڑھ چڑھ کر کام کیا۔ یہ شاہ صاحب اور ان کے مخلص رفقاء کی محنتوں کا ثمر ہے کہ آج صوبہ سندھ میں ہر سو مسلک اہل حدیث کی مساجد اور مدارس دکھائی دیتے ہیں اور ان سے توحید و سنت کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔

شاہ صاحب کی مساعی جمیلہ کی فہرست بہت طویل ہے اس جلیل القدر عالم نے بہ عمر ۷۱ سال ۸ جنوری ۱۹۹۶ء کو رات عشاء کے بعد وفات پائی۔ اگلے روز نماز ظہر کے بعد نیو سعید آباد (ضلع حیدر آباد) میں فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازے میں ہزاروں لوگ شریک ہوئے اور حیدر آباد کی تاریخ کا یہ بہت بڑا جنازہ تھا۔

بعد ازاں شاہ صاحب کے جسد خاکی کو نیو سعید آباد سے ان کے آبائی گاؤں ”گوٹھ پیر آف جھنڈہ“ لے جایا گیا۔ وہاں ایک بار پھر نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اس بار جماعت غرباء اہل حدیث کے امیر مولانا حافظ عبدالرحمان سلفی صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد شاہ صاحب کو ان کے بڑے بھائی علامہ محبت اللہ شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کے

بقیہ: تصویرِ آخرت؛ عقل کی روشنی میں

کہ حساب و کتاب میں اعمال کا وزن خلاف عقل ہے اور اعمال میں تصویر کا رنگ آنا فہم سے بعید تر ہے۔ مگر اس اعتراض کو موجودہ وقت اور جدید سائنس نے باطل کر دیا ہے۔ آج حرارت و برودت اور غیر مرئی چیزوں کا وزن ہو رہا ہے۔ تاریک سے تاریک تر مقام میں کیے گئے فعل کے بعد وہاں کے محرموں کی تصویر لینے میں سائنس کی مشین کا رآمد ہے تو کیا قدرت اعمال کا وزن کرنے اور اس کی تصویر لینے پر قادر نہیں؟ یقیناً قادر ہے۔ آج سائنس کی تحقیق یہ ہے کہ سارے ملفوظات فضا میں موجود ہیں۔ اس سے عقلی طور پر اطمینان ہوتا ہے کہ یقیناً قدرت نے انسانی اعمال و افعال اور اقوال کو منضبط کرنے کا انتظام کر رکھا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ [ق: ۱۸]

یعنی انسان جو کچھ بھی بولتا ہے اس کے پاس ایک نگران ہے۔

ان تمام تفصیلات سے بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ آخرت کا تصور فطرت اور عقلی ضرورت کے عین مطابق ہے جس کا اعتراف دنیا مختلف انداز سے کرتی ہے۔

2013 عمرہ
بکنگ
جاری ہے



تکبیر

ٹریولز اینڈ ٹورز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

فاضلین مدینہ یونیورسٹی
علماء کرام کا با اعتماد ادارہ

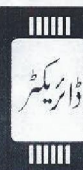
روانگی عمرہ گروپ
11 اپریل انشاء اللہ

عمرہ
کے سستے اور سٹاپیکچر دستیاب ہیں

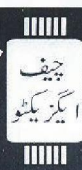
لوگ خود ساختہ مسائل کے مطابق حج کرواتے ہیں
اگر آپ سنت کے مطابق کرنا چاہتے ہیں
ٹریولز اینڈ ٹورز
تکبیر
تو آپ کا بہترین انتخاب

حج

محمد نواز ڈوگر
0300-4699430



محمد زبیر عقیل
0300-8450426



فاضل مدینہ یونیورسٹی
ایم اے پنجاب یونیورسٹی

شناور سنٹر موٹر سمن آباد ملتان روڈ لاہور

042-37525001-2

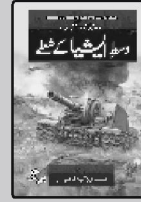
ہماری نئی کتب

آج دنیا میں ایک نئی (امریکی) گریٹ گیم کھیلی جا رہی ہے۔ اس عالمی بھیڑے کی ہوس ملک گیری کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ اس گریٹ گیم میں امریکہ کا کوئی حریف نہیں ہے۔ اس امریکن گریٹ گیم سے پہلے گزشتہ صدی میں بھی وسط ایشیا میں ایک گریٹ گیم کھیلی گئی تھی۔ یہ گریٹ گیم اس وقت کی دو استعماری قوتوں برطانیہ اور روس کے مابین کھیلی گئی تھی۔ گزشتہ صدی کی اس گریٹ گیم کی کہانی ان دونوں عالمی استعماری طاقتوں کے مابین کشاکش کی ایک دل چسپ، خوں چکاں اور اسرار و تجسس سے بھرپور ایک ایسی کہانی ہے جو قاری کو اپنے سحر میں جکڑنے کے بھرپور لوازم سے آراستہ ہے، یہ گریٹ گیم کیوں کر اپنے منطقی انجام کو پہنچی، اس میں کون شکست خوردہ کون کامیاب ہوا؟ اس خطے پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟ موجودہ گریٹ گیم کی اس گریٹ گیم سے کس حد تک مماثلت ہے؟ یہ سب کچھ جاننے کے لیے یہ کتاب پڑھیے۔ اس میں فاضل مصنف نے وسط ایشیائی سیاست کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا بلکہ حق یہ ہے کہ لکھنے کا حق ادا کر دیا۔

وسط ایشیا کے شعلے

(وسط ایشیائی "گریٹ گیم کی کہانی")

Setting the East Ablaze
by Peter Hopkirk



قیمت: 225/- روپے

ترجمہ: تور اکیناء قاضی

تقسیم ہندوستان کے وقت ہندو اور انگریز گٹھ جوڑ کے متحدہ قومیت، لادینیت اور اشتراکیت کے پُر فریب نعروں کے رو میں علامہ اقبال، قائد اعظم اور دیگر اکابر کے افکار کی روشنی میں تحریک پاکستان کے مقاصد کا تاریخی جائزہ۔ جو تشکیل پاکستان پر منتج ہوا۔ اس کتاب میں مصنف نے نوجوان نسل کو تعمیر پاکستان کے مقصد و حید کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کی کوشش کی ہے۔ جس کے باعث آج ہم علاقائی تعصب، قومیت پرستی لادینیت، اشتراکیت اور مغربی جمہوریت جیسی لعنتوں سے چھٹکارا پا سکتے ہیں۔

تعمیر پاکستان

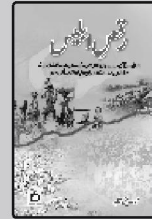
مذہبی، لسانی تحریکات، نسل اور آج



قیمت: 300/- روپے

انسانی تاریخ کی سب سے بڑی اجتماعی ہجرت کے دوران ہندو اور سکھ بلوائیوں کے مسلمانوں پر ڈھائے گئے لرزہ خیز مظالم کی انکشاف انگیز داستان

قص البلیس



قیمت: 180/- روپے

ادارہ مطبوعات سلیمانی

: sulemani@gmail.com
: www.sulemani.com.pk



ہیڈ آفس: رحمان سارکیشٹ غزنی سنٹرل اڈہ بازار لاہور 042-37232788, 042-37361408

چوبی براج: 3۔ بی نیاز و یوسکیم عقب خان بابا ریسٹورنٹ چوک چورجی لاہور۔ 042-37312648, 37352802

نوٹ: مزید کتب کے لیے ادارہ کی قلمی فرسٹ طب فرمائیں۔ بحوالہ "ادارہ مطبوعات سلیمانی" کے نگرانوں کو خصوصی رعایت دی جائے گی۔ کتب بڑے پیمانے پر بی بی سی شہابی جاسکتی ہیں۔

F.A DISTRICT TOPPER 2010
روٹممبر ... 145392
حافظ عبدالمنان 877/1100

F.A DISTRICT TOPPER 2011
روٹممبر ... 505757
زوہیب وحید 901/1100

B.A DISTRICT TOPPER 2012
روٹممبر ... 103596
حافظ عبدالمنان 613/800

ضلع اوکاڑہ بھر کے 20 کالجز میں مسلسل تین بار پہلی پوزیشن حاصل کرنے والا منفرد ادارہ

الفرقان کالج (فار بوائے)



چار سال میں ایف۔ اے اور بی۔ اے کے ساتھ ساتھ ترجمہ و تفسیر، حدیث و اصول حدیث سیرت و فقہ کی معیاری تعلیم دینے والا ضلع اوکاڑہ کا مثالی ادارہ

داخلہ شروع ہے

داخلہ کی آخری تاریخ
20 اپریل 2013ء

2010-2011-2012 میں تمام طلباء فرسٹ ڈویژن میں کامیاب۔ الحمد للہ
انگریزی زبان پر پختہ لکھنے اور بولنے کی سکھانا۔ کردار سازی خصوصی توجہ
ماہر نگری و ملٹر سٹاف۔ معیاری کھانے کے ساتھ سہولیات کی دستیابی
مستحق طلباء کیلئے تمام سہولیات مع تعلیم بالکل فری
ترغیب اپنے عزیز بچوں کو دین کی اعلیٰ تعلیم سے آراستہ کرنے
اوّل صالح کی طرف راغب کرنے کیلئے الفرقان کالج کا انتخاب کیجئے

مدیر الفرقان کالج
پروفیسر عبدالماجد

مین سٹریٹ فیصل کالونی نمبر 1 فیصل آباد روڈ اوکاڑہ
0322-6961108-7

اعلان داخلہ

علوم دینیہ کی معیاری تعلیم اور اسلامی آداب کے مطابق تربیت کا عظیم مرکز لاہور

مدرسہ تدریس القرآن والحديث للبنات

مرکزی برانچ ”من پورہ“ اور ذیلی برانچ ”احمد ہاؤسنگ سکیم“ منصورہ میں 15 مارچ سے داخلہ شروع ہوگا، اور کلاس یکم اپریل سے۔ ان شاء اللہ

اعلان داخلہ

خصوصیات

- فرقہ واریت سے پاک ماحول۔ اسلامی تہذیب کا ائین۔ جدید و قدیم کا استخراج۔ تربیتی و کھلاؤں کا انعقاد۔
- تقریری اور تحریری ذوق کی آبیاری۔ تحقیقی، علمی اور فکری موضوعات پر نامور اسکالرز کے محاضرات۔
- وفاقی المدارس کے مختلف امتحانات میں نمایاں پوزیشنز۔
- عصری تعلیم میں طالبات کی نمایاں کامیابیاں، مثلاً: 2007ء میں لاہور بورڈ میں دوسری پوزیشن۔
- ماس کام جامعہ پنجاب میں دوسری پوزیشن۔ M.A. عربی جامعہ پنجاب میں دوسری پوزیشن۔
- B.A. کے عربی مضمون میں پنجاب بھر میں اول پوزیشن۔ یہ سب کامیابیاں بلاشبہ مدرسہ کے اساتذہ کی قابلیت کی شہادت دیتی ہیں۔
- دونوں شاخوں میں رہائش کا معقول انتظام اور مرکزی برانچ میں ٹرانسپورٹ کی سہولت۔
- نوٹ: 6 اپریل تا 9 اپریل مدرسہ میں تقابل ادیان اور فرقہ کے موضوعات پر لیچرز کا اجتماع کیا گیا ہے۔

کورسز

- ایک سالہ تربیتی پروگرام
- 2 ½ سالہ دراسہ اسلامیہ ثانویہ پروگرام
- 1 ½ سالہ عالمہ پروگرام
- تجوید و تحفیز القرآن
- مختلف نوڈینٹوں کے ماہوار اور سہ ماہی پروگرام

شرائط داخلہ برائے دراسات اسلامیہ

کم از کم میٹرک فرسٹ ڈویژن ترجیحاً B.A. F.A یا کیپورٹ کورس۔ ناظرہ قرآن مجید صحیح تلفظ کے ساتھ عمر کم از کم 16 سال اور غیر شادی شدہ

شرائط برائے تحفیز

ناظرہ قرآن مجید صحیح تلفظ کے ساتھ اور پرائمری پاس ہو۔ داخلہ ٹیسٹ و انٹرویو کی بنیاد پر ہوتا ہے جس کی تاریخ مارچ کے پہلے ہفتے میں دفتر سے معلوم کریں۔

تفصیلات معلوم کرنے کے لیے رابطہ مرکزی برانچ فون: 0324-4088449 / 6278550 / 0423-7280943 ذیلی برانچ فون: 0321-4773771

ہنگامہ آہن کا نشر ٹوٹ رہا ہے!

طوفان اٹھا سرخ اندھیروں کا جہاں میں
خونخوار درندوں سے دہلتی رہی ہستی
شاداب چمن زارِ محبت سے بڑھی کد
معصوم گلابوں کا لہو رقص سیو ہے
آوارہ جبینوں سے رہا نورِ جہاں کم
مدت سے مری تیغِ عمل کند پڑی تھی
اب جرأتِ دیدار نہیں چشمِ عدو میں
کیوں وعدہ فردا پہ اُسے تاب سکوں دوں
افسردگیِ عزم و عمل ٹوٹ چکی ہے
امید کہ ہنگامِ سحر جس سے جہاں تاب
امید سے افکار کی موجوں میں روانی
آ! وادیِ پنشیر میں میں تجھ کو بتاؤں
آوازِ شکم، نانِ شبیں، رمزِ ہنر ہے
اے عزمِ جواں عظمتِ ایمان کے شرارے
شیروں کے تڑپنے سے جگر کانپ رہا ہے
گرتی ہے اگر آتش زر پوش دغا میں
ہنگامہ آہن کا نشر ٹوٹ چکا ہے!

رستے ہوئے ناسور کا دم ٹوٹ چکا ہے!

(عبدالمعید اسلم)